عثمان دقنہ رحمہ

عالمِ اسلام کا عظیم مجاہد

از

محمد حامد

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ

۲- کلب روڈ، لاہور

عثمان دقنہ

عالمِ اسلام کا عظیم مجاہد

از

محمد حامد

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ
۲- کلب روڈ، لاہور

تعداد ـــــــــ ۱۱۰۰

بار اوّل ـــــــــ ۱۹۸۵ء

ـــــــ مطبع ـــــــ

امپرنٹ آفسٹ پرنٹرز

ـــــــ ناشر ـــــــ

ملک فیض بخش، معتمد ادارہ ثقافت اسلامیہ
کلب روڈ ۔ لاہور

فہرست

پیش لفظ

تاریخِ اسلام کے کچھ گوشے ایسے بھی ہیں جن کے چہروں سے ہم نے وقت اور اپنی کوتاہیوں کی پیدا کردہ گرد کو مٹانے کی کوشش نہیں کی۔ یہ گوشے اکثر و بیشتر اُس دور سے متعلق ہیں جب کُرۂ ارضی پر پھیلی ہوئی دُنیائے اسلام کے اپنے ہی رہنماؤں کے باہمی فتنہ و فساد، انتشار و افتراق، ریشہ دوانیوں اور بغاوتوں نے ملّتِ اسلام کی وحدت کو تباہ کر کے دفاع کے ناقابل بنا دیا تھا۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کے تمام اوطان یکے بعد دیگرے غیروں کے قبضے میں چلے گئے اور مسلمان جو صرف اللہ کا غلام ہونے کا دعویٰ کرتا تھا غیروں کا غلام بننے پر مجبور ہو گیا۔ ان تاریک گوشوں میں ایسے واقعات بھی پوشیدہ ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ملّتِ اسلامیہ اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں کے باوجود اللہ کی راہ میں اپنا خون نچھاور کرنے کے قابل ہے۔ ایسے واقعات میں سوڈان پر یورپی قبضے کی داستان بھی شامل ہے۔ اس کے درخشاں پہلو آزاد مردوں کی قربانیوں اور شوقِ شہادت کی پُر رنگ جھلک کا پتہ دے کر فَیُقْتَلْ اَوْ یَغْلِبْ کی تفسیر پیش کرتے ہیں۔ ایسے ہی پُر شوق و پُر کشش اور عزم و استقلال سے لبریز قلبِ سلیم کا عطیہ ربّ ذوالجلال سے حاصل کرنے والا مردِ مجاہد عثمان دقنہؒ تھا جس کا ذکر میجر محمّد حامد نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ بھائی کی شہادت کے بعد جب اس عزیمت کے پروانے کو مہدی سوڈانی علیہ الرحمہ کی جانب سے جہاد کا فریضہ سونپا گیا، تو بقول مصنف عثمان دقنہؒ "ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھے کہ انہیں جہاد میں عملی طور پر حصّہ لینے کا موقع ملے۔"

جہادِ فی سبیل اللہ جو صاحبِ ایمان کے لیے زندگی اور وہ بھی جاوید زندگی کا پیغام لے کر ملّت کے اُفق پر نمودار ہوتا ہے، وہ دُشمنانِ دین کے لیے تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاد کو اسلام سے خارج کرنے کی ناکام کوشش بھی کی گئی اور اس مقصد کے لیے ایک نئے دین کی داغ بیل بھی ڈالی گئی۔ عثمان دقنہؒ نے جہاد کی دعوت پر اُس وقت لبّیک کہا تھا جب دُنیائے اسلام کا آفتاب گہنا چکا تھا۔ جیسا کہ میجر محمد حامد نے لکھّا ہے کہ یہ ایک دورِ فتنہ پرور کی داستان ہے:

"جس وقت سلطنتِ برطانیہ کا آفتاب نصف النّہار پر چمک رہا تھا۔ جب ہندوستان اپنے تمام تر وسیع ذرائع سمیت برطانیہ کا حصّہ بن چکا تھا مُسلم اقوام مشرق سے لے کر مغرب تک ایک نہ ایک یورپی طاقت کی غلامی تلے پس رہی تھیں، مہدی سوڈانیؒ نے اُس وقت کی سب سے بڑی استعماری قوّت سے ٹکر لی اور اُسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ وہ غلامی کی تاریک رات میں اسلام کی دیرینہ قوّت کا مظہر بن کر اُبھرا۔"

عثمان دقنہؒ اس مظہر میں مہدی سوڈانیؒ کے دوش بدوش ایمان و عمل کی مثال قائم کرتا رہا۔ تاریخِ اسلام کی اس تاریک شبِ غم واندوہ میں بجلی کی سی چمک چکا چوند کی طرح آناً فاناً رو پذیر ہونے والے اِن مردانِ خود آگاہ کے ولولہ انگیز واقعات کا ذکر اس لیے بھی ضروری ہے کہ اللہ کے اس آخری پیغام اور اس کو قبول کرنے والوں پر اغیار کی یلغار بھی ختم نہیں ہُوئی۔ مثلِ سابق ان اغیار کا بہترین حربہ اُمّتِ مسلمہ میں نفاق و افتراق ڈالنا ہے۔ ان مسلسل حملوں کا دفاع صرف اسی صُورت میں ہو سکتا ہے کہ اُمّت کی صفوں میں دورِ اوّل کا سا اتّحاد پیدا کیا جائے اور اُمّت کے ہر فرد کو یقین دلایا جائے کہ جب تک

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ط

پر عمل نہ کیا جائیگا اُس وقت تک اُمّت کے مختلف گوشوں سے قربانی کی پیشکش کے کامیاب ہونے کی اُمّید نہیں کی جا سکتی۔ ساتھ ہی ساتھ یہ خیال بھی رکھنا ہو گا کہ جن عوامل نے گزشتہ

ادوار میں ملّتِ اسلام کی صفوں کو وقتاً فوقتاً درہم برہم کیا تھا وہ اسباب و علل دوبارہ نہ پیدا ہونے دیے جائیں۔ یہ عوامل اُن خود غرضیوں پر مبنی تھے جو ایک خطّے کے اربابِ اختیار اپنے قرب و جوار کے خطّوں کے وسائل کو اپنے تصرّف میں لانے کے لیے اپنے ہی مسلمان بھائیوں کو اپنے زیرِ اقتدار لانے کی خواہش کے تحت اختیار کیا کرتے۔

اگر مسلمان ممالک اپنے اندرونی معاملات کو سُلجھانے کے لیے حدودِ قرآن و سنّت کو پیشِ نظر رکھیں، تو اس طرح کے مواقع پیدا ہونے کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ اندرونی معاملات میں اللہ اور اللہ کے رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے احکامات پر عمل کرنے والے بیرونی معاملات میں بھی اسلام کے قوانین سے رُوگردانی کی ہمّت نہ کریں گے۔ مسلمان کا مسلمان پر حملہ آور ہونا یقیناً مسلمان کے مسلمان کو عمداً قتل کرنے کی حد کے تحت آتا ہے اور مسلمان کو مسلمان جب قتل کرتا ہے تو قاتل اسلام کے دائرے سے فوراً خارج ہو کر جہنّم کا سزاوار بن جاتا ہے!

انگریزوں کے سوڈان پر حملے کے وقت بھی کچھ اسی طرح کے عوامل کارفرما تھے۔ انگریز مصر پر قابض ہو چکے تھے۔ مصر کے اربابِ اختیار انگریزوں کی بالادستی قبول کر چکنے کے باوجود اپنا دائرۂ اختیار بڑھا کر سوڈان کو انگریزوں کی سنگینوں کی مدد سے اپنے تحت لانا چاہتے تھے۔ انگریزوں کو اس سے بہتر موقع کہاں مل سکتا تھا۔ یورپ کے استعماری ممالک ۱۸۷۸ء میں برلن معاہدے کے تحت ایک دُوسرے کی نوآبادیات قبول کرنے پر رضامند ہو چکے تھے۔ اٹلی کو کساوا میں مجاہدوں کی وجہ سے دشواریاں پیش آ رہی تھیں۔ اٹلی نے انگریزوں سے مدد مانگی کہ اگر وہ حرّیت پسند مسلمانوں کی توجہ سوڈان کی طرف مبذول کر دیں تو اسے کساوا میں کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ انگریزوں نے بہانہ تو یہ بنایا کہ وہ مصر کا

اقتدار سوڈان پر محکم کرنے کے لیے حملہ آور ہوئے ہیں، مگر حقیقت میں وہ اپنا قبضہ نیل کے طول و عرض میں بڑھانا چاہتے تھے اور ساتھ ہی اٹلی کو پیش شدہ دشواریوں سے نجات دلانے کے خواہش مند تھے۔ اس مہم کے لیے جنرل گورڈن کو چُنا گیا۔ مہدی سوڈانی نے مقابلہ کیا اور گورڈن مارا گیا۔ برطانیہ نے کچنر[1] کے تحت مصر کے خرچ پر نئی مہم تیار کی اور گورڈن کی موت کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ گورڈن اور کچنر اُس دور کی برطانوی فوج کے قابل ترین سپاہی تصور کیے جاتے تھے۔

گورڈن کے متعلق مورخ لکھتا ہے:

"شمشیر بدست، بائیبل درونِ جیب، اُس کے فوجی کارناموں کو چین، ہندوستان اور افریقہ کے اندر کی کارکردگی نے روشن بنا دیا تھا۔ بے خوف مگر متلوّن مزاج، انتہائی قابل، مگر ظلم و تشدّد سے لطف اندوز ہونے کا آرزو مند۔۔"[2]

یہ تھا جنرل گورڈن۔ اس جنگ کے متعلق یہی مورخ ایک اور مقام پر لکھتا ہے:

"سوڈان کی جنگ جان بوجھ کر اور سوچ سمجھ کر شروع کی گئی تھی اور اس کے فوائد اور نقصانات پر مکمل غور و فکر کے بعد اس کی تیاری عمل میں لائی گئی تھی"[3]

جس طرح اس جنگ کا آغاز اخلاق اور بین الاقوامی زبان و روایات سے عاری تھا اسی طرح اس کے دوران میں جو رویّہ روا رکھا وہ وحشی پن اور بربریّت کا مظہر تھا۔ یہ جنگ

۱: فلپ میگنس۔ کچنر۔ مطبوعہ جان مرے۔ لندن ۱۹۵۸ء۔ ص۔ ۹۰

۲: ایضاً۔ ص۔ ۴۲

۳: ایضاً۔ ص۔ ۹۲

نہ تو کسی اصول کے تحت شروع کی گئی تھی اور نہ ہی اس کے دوران کے طریقِ کار میں کسی اصول کو پیشِ نظر رکھا گیا تھا۔ حقیقت میں یورپی اقوام نے ایشیا اور افریقہ میں اپنی نوآبادیاتی جنگوں کے دوران میں مہذّب یورپی دُنیا کی اخلاقی اقدار کو بھی نظر انداز کرنے میں کسی موقع پر تامّل نہیں کیا۔ مثال کے طور پر سوڈان کی جنگ کو لیجیے۔ جب کچنر کو کامیابی کا یقین ہو گیا، تو اُس نے جنگ ختم کرنے کا بگل بجایا اور اپنی فوج کو لوٹ مار کی اجازت دے دی۔ لوٹ کا بہترین مال اُس نے اپنے لیے علیحدہ کر لیا اور اِسے قاہرہ میں واقع اپنے مکان روانہ کر دیا۔ ۔ ۔ حالانکہ اُس نے کرومر کو یقین دلایا تھا (مفتوح فوج کے افراد) قیدی قبول کر لیے گئے تھے اور اُنہیں فوراً قتل نہیں کیا گیا تھا، مگر یہ بات یقینی نہیں تھی ۔ ۔ ۔ جب اُس نے فتح کے جشن کی پریڈ منعقد کی، تو محمود (مفتوح سپہ سالار) کو زنجیروں میں جکڑ کر اپنے ساتھ رکھا ۔ ۔ ۔ اُس کے ٹخنوں کے گرد بیڑیاں ڈالی گئی تھیں اور اُس کے گلے میں آہنی طوق ڈال کر اُس کے بازوؤں کو پیٹھ کے پیچھے باندھا گیا تھا اور اس حالت میں اُسے سوار فوج کے پیچھے پیچھے چلنے اور بعض اوقات دوڑنے پر مجبور کیا گیا تھا ۔ ۔ ۔ جب وہ ٹھوکر کھا کر گر پڑتا، تو اُسے چابک مارے جاتے ۔ ۔ ۱

یہ تو تھا زندوں سے سلوک۔ یورپی عیسائیت کے نمائندے نے مُردوں کے ساتھ کچھ کم بربریت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اسی کتاب میں درج ہے:

"کچنر کے حکم سے مہدی سوڈانی علیہ الرحمۃ کے مزار کو زمین بوس کیا گیا اور اس بزرگ کی ہڈیاں قبر سے نکال کر دریائے نیل میں ڈال دی گئیں۔"۲

۱۔ ایضاً۔ ص ۱۲۱ - ۱۲۲　　۲۔ ایضاً۔ ص ۱۳۳

سالہا سال بعد سمندر کے اس نمکین پانی نے کچنر کی ہڈیوں کو اپنی آغوش میں کھینچ لیا۔ اقبالؒ کے اشعار قدرت کے اس اُصول کہ "اس ہاتھ کرو، اُس ہاتھ ملے" سے کسی فردِ بشر کو مفر نہیں، کو پیشِ نظر رکھ کر کہے گئے تھے۔

مہدی سوڈانی کی رُوح یہ سوال پُوچھتی ہے۔ ؎

گفت اے کشنر اگر داری نظر

انتقامِ خاکِ درویشے نگر!

آسماں خاکِ ترا گورے نہ داد

مرقدے جز در یمِ شورے نداد

(کُلیاتِ اقبال۔ ص ۶۸۵)

(اے کچنر اگر تُو بصیرت رکھتا ہے، تو درویش کی قبر کا انتقام دیکھ۔ آسمان نے تجھے مٹی میں جگہ تک دینے سے انکار کر دیا۔ تجھے نمکین پانی کے سوا کہیں قبر کی جگہ نہ مل سکی۔)

مہدی سوڈانیؒ کے سر کو کچنر نے اپنی تحویل میں لے لیا اور اُسے عجائب گھر میں نمائش کے طور پر رکھنے یا اُس میں شراب پینے کے منصوبے پر غور کرنے لگا، مگر ملکہ کے حکم کے ذریعے اُسے اس ذلیل فعل سے باز رکھا گیا۔

یہ تھا متمدّن و مہذّب عیسائی یورپ کا اخلاق و کردار جس کے ذریعے یورپ غیر مہذّب اور غیر متمدّن ایشیا اور افریقہ کو سفید فام اقوام کا بوجھ سمجھ کر اُنہیں راہِ راست یعنی غُوئے غلامی میں پختہ کرنے کی مہم پر کاربند ہُوا تھا اور بقول فرانسیسی جنرل بیوڈ:

"غیر مہذّب مسلمانوں کو تہذیب سکھانے کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہ تھا۔"

اس فرانسیسی جنرل نے درست کہا تھا۔ وہ جبر و تشدّد اور اخلاق و کردار کے

فقدان کے ایسے تیر بہدف نسخے ہمیں بتا گئے ہیں جن سے اب ہمارے معاشرے رشوت، سفارش اور غلط طریق کار کے بغیر اپنے کاروبار کو جاری ہی نہیں رکھ سکتے۔ اس درس تدریس سے یورپی ممالک صرف یہ چاہتے تھے کہ ایشیا وافریقہ کا مسلمان ان کے طوقِ غلامی کو رضامندی سے پہنے رکھے اور اسے اُتارنے کے خیال سے ہی اُس کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور اُس کے بدن میں کپکپی پیدا ہو جائے اور وہ عیسائی یورپ کی غلامی کو اپنے لیے فخر و ناز کا مقام سمجھے۔ کسی زمانے میں مسلمان اپنے ذمیوں کی حفاظت اپنا فرضِ منصبی سمجھتے تھے۔ یورپ چاہتا تھا کہ اب وہ اپنی حفاظت کا بوجھ عیسائی یورپ پر ڈال کر آزادانہ عیش و عشرت کی غلامانہ زندگی میں فرحاں و شاداں رہنا قبول کریں۔ ان خیالات کو قبول کرنے والے مسلمانوں کو جدیدیت پرست مسلمان کہا گیا اور جو مسلمان آزادی و حریت کے طلب گار تھے، انہیں تنگ نظر، قوم پرست کا خطاب دیا گیا۔ ایک امریکی مشنری لکھتا ہے:

" جوں جوں جدید تقاضوں کے مطابق اسلام کے اندر اصلاح کی جاتی رہے گی، اسی مناسبت سے اسلام عالمی مذہب کا مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا رہے گا۔"[1]

مصر کے متعلق ایک یورپی مصنف لکھتا ہے: "وہ مصری جو پیدل پٹڑی سے ملحق چائے خانوں میں بیٹھتا ہے وہ گرم گفتار اور خونچکاں قومیت یعنی اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا حامی ہوتا ہے"[2]

۱۔ چارلس ایڈمز۔ مصر میں اسلام اور جدیدیت۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لندن ۱۹۳۸ء ص ۲۰۴

۲۔ ڈگلس سکیڈن۔ مصر اور انگلستان۔ مطبوعہ ہرسٹ اور بلیکٹ۔ لندن ۱۹۰۸ء۔ ص۔ ۴۹

یہی مصنف ایک اور جگہ لکھتا ہے :

"معلوم نہیں اسلام کی یہ سازش کچلنے میں کتنی مدت درکار ہوگی؟ کون جانتا ہے ؛ شاید اتنی ہی مدت جتنا عرصہ کہ عرب کو فتح کرنے میں خرچ ہوگا ؟ البتہ مصر کو اس جذبے کے خلاف محفوظ رکھنا چنداں مشکل نہ ہوگا"[1]

("اے بسا آرزو کہ خاک شدہ !")

آگے چل کر یہ مصنف سوڈان کی جنگِ آزادی کا ذکر کرتے ہوئے اسے سعیِ لاحاصل کہتے ہوئے افسوس کناں ہے کہ اس جنگ میں انگریزوں کے ہاتھوں سوڈان کی آبادی کا ⅘ حصہ ختم ہوگیا اور اس کے خیال میں اسی لیے " جدید مصر کا نوجوان جہاد کو مضحکہ خیز سمجھتا ہے "[2]

مگر اس کے باوجود وہ یہ کہنے پر مجبور تھا کہ مصری نوجوان، انگلستان کے خلاف اس لیے ہیں کہ :

" وہ ہر بات برداشت کرلیں گے ؛ البتہ عیسائیوں کی حکومت کو رضامندی سے قبول نہیں کریں گے . . . اور اتحادِ عالمِ اسلامی ہی ان کی سیاست ہے "[3]

آج یورپ کا سیاسی تسلط ختم ہوچکا ہے ، مگر اُس کا اقتصادی اور نظریاتی قبضہ ابھی قائم ہے ۔ اس بالادستی سے چھٹکارا حاصل کرنے میں اپنی کوتاہیوں کے دور

---

۱ ۔ ایضاً ۔ ص ۔ ۴۸

۲ ۔ ایضاً ۔ ص viii

۳ ۔ ایضاً ۔ ص ۔ ۵۵ ۔ ۵۶

کے حالات کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔

میجر محمد حامد مبارک باد کے مستحق ہیں کہ اُنہوں نے انتہائی محنت و جانفشانی سے ہماری ملّی زندگی کے تاریک ترین دَور کے ایک درخشندہ باب کے متعلق معلومات بہم کر کے اُنہیں منظرِ عام پر لے آئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ دُنیائے اسلام کے ہر گوشے کی اس طرح کی جاں سپاری کی داستان کو نوجوانوں کی نظروں کے سامنے لایا جائے تاکہ عہدِ حاضر کا نوجوان کہیں یہ نظریہ نہ قائم کر لے کہ ہمارے آباؤ اجداد نے طوقِ غلامی بخوشی قبول کر لیا تھا۔

مَیں اس پیش لفظ کو مصنّف کے آخری فقرے پر ختم کرتا ہوں:

"عثمان دقنہؒ نے اپنے نہتّے، کم علم اور غیر تربیت یافتہ مجاہدین کو اپنے وقت کی انتہائی تربیت یافتہ افواج کے مقابلے میں لا کھڑا کیا جو انگلستان، انڈیا اور آسٹریلیا جیسے دور دراز علاقوں سے لائی گئی تھیں۔ اُنہوں نے جس جنگی مہارت، برتر قائدانہ صفات اور مستقل مزاجی سے دُنیا کے گوشے گوشے سے لائی گئی، ساز و سامان سے لیس انتہائی منظّم اور قابل افواج کا مقابلہ کیا وہ اُن ہی کا حصّہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جب بھی افریقہ کے اُنیسویں صدی کے مجاہدین کا ذکر آئے گا عثمان دقنہؒ کا نام سنہرے حروف میں لکھا جائے گا!"

اِن جیسے مجاہدوں کی آج بھی ملّت کو ضرورت ہے اور وہ ملّت کے نوجوان مردانِ آزاد کی صفوں سے نمودار ہوں گے!

بریگیڈیر گلزار احمد

۴۔الف۔ گلستان کالونی۔ راولپنڈی

۷ رجمادی الاوّل ۱۴۰۰ھ ۔ ۲۵ر مارچ ۱۹۸۰ء

عثمان دقنہ

عالمِ اسلام کا عظیم گوریلا لیڈر

یوں تو برِاعظم افریقہ کی انیسویں صدی کی تاریخ ایسے بے شمار عظیم مجاہدوں کے کارناموں سے بھری پڑی ہے جنہوں نے مغربی استعمار کا بڑے عزم و استقلال سے مقابلہ کیا اور اسے پے در پے شکستیں دیں، لیکن سوڈان کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے سلطنتِ برطانیہ کے عظیم ترین لشکروں کو تہس نہس کرنے کا منظر دیکھا۔

مہدی سوڈانی کے نام سے تو عالمِ اسلام کا ایک بڑا حصّہ آگاہ ہے، لیکن اُن کے دستِ راست اور اُن کی فوجی مہمات کے سربراہ عثمان دقنہؒ کے نام سے نسبتاً کم لوگ واقف ہیں۔ اس شخصیت نے برطانیہ کے بڑے بڑے جرنیلوں کو شکستِ فاش دی اور انہیں اپنی ہزیمت کے زخم چاٹنے پر مجبور کر دیا۔

جس وقت سلطنتِ برطانیہ کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا تھا جب ہندوستان اپنے تمام تر وسیع وسائل و ذرائع سمیت برطانیہ کا حصّہ بن چکا تھا، مسلم اقوام شرق سے لے کر غرب تک ایک نہ ایک یورپی طاقت کی غلامی تلے پس رہی تھیں، مہدی سوڈانیؒ نے اس وقت کی سب سے بڑی استعماری قوت سے ٹکر لی اور اُسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔

غلامی کی تاریک رات میں مہدیؒ اُسلام کی دیرینہ قوت کا مظہر بن کر اُبھرا تھا

جہاد جسے یورپ نے انتہائی بھیانک انداز میں پیش کیا تھا اور جس کے بارے میں مسلمانوں میں بھی معذرت خواہانہ رویہ پیدا ہو چلا تھا، اب ایک بار پھر غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے انتہائی مؤثر قوت بن چکا تھا۔ سوڈان کے نہتے مجاہدوں نے نیم برہنہ جسموں اور معمولی نیزوں کی چمک سے مغرب کی بہترین تربیت یافتہ فوج کو ناکوں چنے چبوا دیئے تھے۔

ملکہ وکٹوریہ ان پے در پے شکستوں کی وجہ سے شدید بیمار ہو گئی۔ اُن کے قریبی حلقوں کا کہنا تھا کہ شاید وہ سوڈان کے جانکاہ حادثوں کی وجہ سے جانبر نہ ہو سکے۔

جنرل گارڈن جسے برطانوی مؤرخوں نے برطانیہ کے بہترین سپاہیوں میں سے ایک قرار دیا ہے، مہدی سوڈانی کے درویشوں کے ہاتھوں مارا جا چکا تھا۔ برطانوی مؤرخوں نے گارڈن پر کتابوں کا انبار لگا ڈالا ہے اور مقامِ افسوس ہے کہ آج عثمان دقنہؒ اور مہدی سوڈانیؒ کے حالات جاننے کے لئے ہمیں بیشتر انہی کتابوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ افریقہ کی جدوجہدِ آزادی کو ایک بار پھر تحریر کیا جائے اور مسلمانوں کی موجودہ نسل کو بتایا جائے کہ وہ آزادی کی نعمت سے یونہی مالا مال نہیں ہو گئے یہ سحر، خونِ صد ہزار انجم سے طلوع ہوتی ہے۔

عثمان دقنہ جن کی جدوجہد کی ولولہ انگیز داستان آنے والے صفحات میں بیان کی جا رہی ہے، مشرقی سوڈان سے تعلق رکھتے تھے

جغرافیائی پس منظر۔ مشرقی سوڈان کے جغرافیائی پس منظر کو جاننے کے بعد ہمیں

اس جدو جہد کو سمجھنے میں خاصی آسانی ہو گی۔ اس لئے اس علاقے کا مختصر سا تذکرہ بہت ضروری ہے۔ مشرقی سوڈان بحرِ احمر کے ساحل پر ۲۲° اور ۱۸° درجہ طول بلد کے درمیان واقع ساحلی علاقے سے اریٹریا کی سرحد کے ساتھ ساتھ کسالا اور گالابت تک پھیلا ہوا ہے، دوسری جانب مغرب میں دریائے اتبارہ کے ساتھ ساتھ اس کے منبع ادارمہ اور شمال میں ۲۰° طول بلد تک پھیلے ہوئے علاقے پر مشتمل ہے۔

بحرِ احمر پر واقع ساحل، سمندر سے چند ہی فٹ اونچا ہوگا۔ پانی کے مدّوجزر سے ساحلی علاقہ زیرِ آب آجاتا ہے اور کچھ مقامات پر سمندر چند ہی انچ نیچا رہتا ہے۔ ساحل کے ساتھ کئی ایسے کٹاؤ ہیں، جہاں کشتیاں لنگر انداز ہو سکتی ہیں، لیکن آج سے سو برس قبل سواکن کے علاوہ کوئی قابلِ ذکر بندرگاہ موجود نہ تھی۔ سواکن سے کئی راستے افریقہ کے اندرونی علاقوں تک جاتے تھے۔ ایک راستہ مغرب کو بربر علاقے سے ہوتا ہوا خرطوم اور مرکزی سوڈان کی طرف جاتا تھا اور دوسرا پہاڑوں سے ہوتا ہوا کسالا اور حبشہ کی سطحِ مرتفع تک پہنچتا تھا

یہاں ساحل سمندر دس سے بیس میل تک چوڑا ہے۔ تمام علاقہ مختلف خودرَو جھاڑیوں سے اٹا ہوا ہے۔ بارش ہونے پر یہ علاقہ اس حد تک سرسبز ہو جاتا ہے کہ بکریاں اور اونٹ چرائے جا سکیں۔ اس صحرا میں سال کے کچھ حصّوں میں مختلف نوع کی جڑی بوٹیوں کی ہلکی مہک دُور تک بکھر جاتی ہے۔ ہرن چوکڑیاں بھرتے نظر آتے ہیں اور ان کے غول کے غول صحرا کے طول و عرض میں پھیل جاتے ہیں جہاں کہیں پانی کا ذخیرہ ہو، فاختاؤں کی یلغار نظر آتی ہے اور بادِ نسیم کے جھونکے صحرا کے اداس منظر کو دلکش بناتے ہوئے ہولے سے گزر جاتے ہیں۔

ہر چند کہ اس صحرا میں جانوروں اور پرندوں کی کمی نہیں، تاہم پانی کے بڑے ذخائر مغربی سمت میں پہاڑوں کے دامن ہی میں پائے جاتے ہیں۔ یہاں پہاڑوں کا سلسلہ اونچا ہوتے ہوتے چار پانچ ہزار فٹ تک بلند ہو جاتا ہے۔ اس پہاڑی سلسلے سے کبھی کبھار اونٹوں کا کوئی قافلہ گزرتا ہوا نظر آتا ہے۔

یہ سلسلۂ کوہ خاصا دشوار گزار ہے۔ سوڈان کے مشرقی حصے میں واقع یہ پہاڑ اس کے لئے ایک قدرتی فصیل کا کام دیتے ہیں۔ شمال میں ریت کا لق و دق صحرا اور جنوب میں سد کی دلدلی زمین، سب مل کر سوڈان کو دفاعی اعتبار سے مستحکم کئے ہوئے ہیں۔

مقامی قبائل بحرِ احمر کے ساحلی علاقے کے رہنے والے ان پہاڑوں کے دامن تلے ساتھ ساتھ آباد ہیں۔ ان میں شجاعت، بے خوفی اور حوصلہ مندی کی وہ تمام روایات موجود ہیں جو پوری دنیا میں پہاڑی علاقوں میں رہنے والے مسلم قبائل کا خاصا ہیں۔

ان قبائل کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) ہدندوا (۲) بنی امیر اور (۳) امارار۔ اس میں شک نہیں کہ یہاں دوسرے قبیلے بھی آباد ہیں، لیکن انہیں اس وجہ سے کوئی اہمیت حاصل نہیں کہ انہوں نے جہاد میں نمایاں حصہ نہیں لیا۔ ان قبائل میں بلشارن، ارتیگا اور اشرف قابلِ ذکر ہیں۔ ان کی زبان میں عربی زبان کا غلبہ ہے۔ اسی طرح ان کے رسوم و رواج پر بھی عرب تمدن کی گہری چھاپ ہے۔ ان قبائل میں عربوں کی طرح آزادی، بے خوفی، اپنی روایات پر فخر اور دشمن سے بدلہ لینے کی تمام تر خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ جب تک خون کے بدلے خون نہ بہایا جائے یا خون بہا وصول نہ کر لیا جائے، وہ آرام سے نہیں بیٹھ سکتے

خون کے بدلے خون کا سلسلہ نہ ختم ہونے والی زنجیر کی طرح پُشت در پُشت چلتا رہتا ہے، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ان قبائلیوں کی رگوں میں وہ زندہ تابندہ لہو گردش کر رہا تھا جو انگریز افواج کے سروں کی فصلیں کاٹنے کے لئے بے تاب تھا۔

وہ برطانوی افواج جو محض جذبۂ جہاں کشائی کی تسکین کے لئے پُرامن باشندوں کا امن چین غارت کرنے کے لئے ایشیا اور افریقہ میں پھیلی ہوئی تھیں اور جو اُن علاقوں کے تہذیب و تمدّن کو بربریت اور وحشی پن سے تعبیر کرتے ہوئے، یہاں کے باشندوں کو بزورِ شمشیر مہذّب بنانے کے نکلی تھیں، بالآخر انسانی عزم اور حوصلے کی ان چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں۔

ان قبائل نے پریڈ کے میدانوں میں ڈرل نہیں کی تھی اور یہ تنظیم اور ڈسپلن جیسے الفاظ سے بھی ناآشنا تھے، لیکن اس کے باوجود انگریزوں کی تربیت یافتہ اور دنیا بھر میں غارت گری کا تجربہ رکھنے والی افواج انکے مقابلے میں نہ ٹھہر سکیں۔ انگریز افواج کے سامان رسد کی لائن ہندوستان سے لے کر برطانیہ تک پھیلی ہوئی تھی اور انہیں بحریہ تک کی مدد حاصل تھی، ان قبائل کے پاس نیزوں اور چند چھینی ہوئی رائفلوں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ ان کی پُشت پناہی کے لئے کوئی ملک نہ تھا۔ اللہ تعالےٰ کی امداد پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ اپنے سے کئی گنا بڑی طاقت سے ٹکرا گئے تھے۔

عثمان رح دقنہ کا خاندان

یہ تھے وہ قبائل جن کی رہنمائی کا عظیم منصب عثمان دقنہ رح کو حاصل ہوا۔ وہ سواکن کے معروف دقنائی خاندان

سے تعلق رکھتے تھے۔ گذشتہ زمانے میں اس خاندان نے سواکن کے مختلف معاملات میں رہبری کے فرائض انجام دیئے تھے، چنانچہ اسی لئے انہیں بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

عثمان دقنہؒ کے چچازاد بھائی علی دقنہ فاگی سواکن کے سب سے بڑے تاجر تھے۔ وہ تاجروں کی تنظیم کے سربراہ بھی تھے۔ یہ خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ عثمان دقنہؒ کے آباؤ اجداد دیار بکر کے رہنے والے کرد تھے اور سلیم فاتح (۱۵۱۲ء – ۱۵۲۰ء) کے دور میں ہجرت کر کے سواکن میں آ بسے تھے۔ انہوں نے مقامی قبائل ہدندوا اور آرتیگا کے ساتھ شادیاں کیں اور انہی کی نسل سے قبیلے کی دقنائی شاخ وجود میں آئی۔ عثمان دقنہؒ ۱۸۴۰ء میں سواکن میں پیدا ہوئے۔ ان کی عمر مہدی سوڈانی سے کچھ زیادہ تھی۔ اُن کے بھائی علی، عمر اور ان کے چچازاد بھائی احمد دقنہؒ سب کے سب اونچے درجے کے تاجر تھے۔ عثمان دقنہؒ بھی تجارت میں ان کے شامل ہو گئے اسی اثنا میں ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس نے عثمان دقنہؒ اور ان کے تمام خاندان پر گہرا اثر ڈالا۔

برطانوی قزاقی

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ برطانیہ، بحرِ ہند، بحرِ احمر اور بحرِ ابیض پر قابض ہو چکا تھا۔ اس کی سلطنت کا دائرہ مشرقِ بعید سے لے کر ہندوستان اور مصر تک پھیل چکا تھا۔ سمندروں پر اس کا بلاشرکت غیرے قبضہ تھا۔ انگریز اس صورتِ حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اور اپنی فطری قزاق پیشگی کے ہاتھوں مجبور ہو کر بسا اوقات چھوٹے تاجروں پر ہاتھ اٹھانے سے بھی نہ چوکتے تھے۔ ۱۸۷۷ء میں ایک برطانوی جہاز (WILD SWAN)

نے جدید پورٹ سوڈان کے نزدیک علی دقنہ کے چھوٹے جہاز کو تمام مال و متاع سمیت اپنے قبضے میں لے لیا۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ جب علی دقنہ اور اس کے ساتھیوں نے مزاحمت کی، تو جدّہ میں واقع اس کے گودام کو بھی لوٹ لیا اور تمام خاندان کو گرفتار کر لیا۔ عثمان دقنہؒ بھی اس موقع پر گرفتار کر لئے گئے۔ دقنہ خاندان کے تمام مال واسباب کو ضبط کر لیا گیا اور انہیں جدّہ سے نکال دیا تھا۔ عثمان دقنہؒ اور ان کا تمام خاندان لٹ پٹا واپس اپنے علاقے میں آگیا۔ عثمان دقنہؒ کو روزی کمانے کے لئے روئی کے ایک کارخانے میں ملازمت اختیار کرنا پڑی۔

اس دور میں سواکن میں دو اہم شخصیتیں دینی اعتبار سے ممتاز سمجھی جاتی تھیں ان میں ایک کا تعلق خاتمیہ مرغانیہ سلسلے سے تھا اور دوسری سلسلۂ مجاذب سے متعلق شیخ الطاہر کی تھی۔ اس سلسلے کے شیخ کی رہائش بربر کے علاقے میں تھی۔ مرغانیہ سلسلے سے متعلق افراد نے مہدی سوڈانیؒ کی تحریک جہاد میں کوئی حصّہ نہیں لیا، بلکہ اُن کی مخالفت میں پیش پیش رہے۔ دوسری طرف عثمان دقنہؒ کا تعلق شیخ الطاہر کے سلسلے سے تھا۔ اگر بحرِ احمر کے اس علاقے کے افراد کا تعلق مرغانیہ سے ہوتا، تو مہدی اپنی تحریکِ جہاد کے لیے مقامی افراد کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکتے

بحرِ احمر کی اہمیت

عثمان دقنہؒ بحرِ احمر کے ساحلی علاقے سے متعلق ہونے کی وجہ سے انگریزوں کے روز افزوں خطرے سے اچھی طرح آگاہ تھے، کچھ ہی عرصے پہلے خود ان کے ساتھ جو حادثہ پیش آیا تھا۔ اس

سے انہیں فرنگی بحری قوت اور عزائم کا اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا۔ انہیں یہ احساس تھا کہ اگر فرنگی قوت کو اسی طرح بڑھنے کا موقع ملا، تو یہ طوفان سمندر ہی میں نہیں، بلکہ خود ان کے گھروں تک آ پہنچے گا۔ پھر بحرِ احمر جہاں ایک طرف سوڈان کے ساحل سے ملتا ہے وہاں اس کے پانیوں کو حجازِ مقدس کے قدموں کو چھونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ سمندر کے اس اہم حصے میں ایک غیر مسلم قوت کا اقتدار یہ معنی رکھتا تھا کہ سرزمینِ حجاز بھی ان اثرات سے نہ بچ سکے گی۔

عثمان دقنہ جیسی بصیرت رکھنے والا شخص ان تمام خطرات کو بھانپ گیا۔ ان کی نظریں مستقبل کے پردے میں جھانک رہی تھیں۔ انہوں نے سواکن میں رہنے والی تمام اہم کاروباری شخصیتوں کو مدعو کیا اور انہیں اس خطرے کی جانب توجہ دلائی۔ لیکن تاجروں کا یہ طبقہ اپنے کاروبار سے ہٹ کر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری تھا۔ یہ گروہ جس کا اوڑھنا بچھونا محض تجارت تھی آنے والے طوفان کو نہ بھانپ سکتا تھا۔ تاجر تجارت کے منافع اور نقصان کو تو سمجھ سکتے تھے، لیکن وہ ایک ابھرتی ہوئی بحری طاقت کے خطرناک عزائم کو سمجھنے کی قوت سے محروم تھے۔ انہیں فرنگیوں سے کوئی اندیشہ نظر نہ آ رہا تھا۔

ان میں سے اکثر نے تو یہ سمجھا ہوگا کہ عثمان دقنہ ذاتی وجوہات سے انگریزوں کے خلاف ہے اور ان سے انتقام لینے کی سوچ رہا ہے۔ ذاتی منفعت اور نقصان کی سوچ میں گرفتار تاجر اس کے علاوہ اور سوچ بھی کیا سکتے تھے! جن افراد نے اس خطرے کا کسی حد تک اندازہ کیا بھی، وہ اس جرأت اور حوصلہ مندی سے محروم تھے جس کے بل بوتے پر قومیں اپنی تقدیر کا فیصلہ اپنے ہاتھوں کرنے کی

اہل بنتی ہیں۔ انہوں نے سواکن کو بحری حملے سے مدافعت کے قابل نہ سمجھتے ہوئے کسی قسم کا اقدام کرنے کی مخالفت کی۔ کچھ نے یہ بھی کہا کہ اسکندریہ پر کچھ ہی عرصہ پہلے شدید گولہ باری ہوئی تھی۔ ہم اس کی تاب نہ لا سکیں گے۔

بربر کی طرف

عثمان دقنہ کو اپنی اس بصیرت اور دُور اندیشی کی خاصی مہنگی قیمت ادا کرنا پڑی۔ ان کے بلائے ہوئے اجلاس کے کچھ ہی دن بعد ان تاجروں نے ایک خفیہ اجلاس میں یہ فیصلہ کیا کہ اس خطرناک شخص کو اس کے خاندان سمیت سواکن سے نکال دیا جائے۔ عثمان دقنہ کے کانوں میں اس فیصلے کی بھنک پڑگئی، چنانچہ وہ اس سواکن سے ۲۸۰ میل دُور بربر کے شہر میں جا کر آباد ہوگئے اور وہاں تجارت شروع کردی۔ بعد میں وہ تجارت کے سلسلے میں سواکن جاتے رہے اور رفتہ رفتہ انہوں نے وہاں اپنے ہم خیال افراد کا ایک گروہ تشکیل دے دیا۔ ان افراد سے ان کا برابر ربط رہتا تھا۔

۱۸۸۲ء میں انہوں نے دوبارہ سواکن میں کچھ روز قیام کیا۔ اور اس دوران ہی انہوں نے تحریکِ جہاد کی بنیاد رکھی۔ ایک رات اپنے ساتھیوں سمیت سواکن کے نواح میں ایک گاؤں فولا میں جا کر قرآن پاک پر اجتماعی حلف لیا کہ وہ بڑھتی ہوئی فرنگی قوت کے مقابلے میں اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر دیں گے۔

یہ رات جس میں عثمان دقنہ نے مٹھی بھر ساتھیوں سے حلف لیا تھا، سوڈان کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت کی حامل تھی۔ اس رات ان افراد نے جن کے پاس بے سروسامانی کے علاوہ کوئی سامان نہ تھا، بے مائیگی کے سوا کوئی سرمایہ نہ تھا اور دنیاوی شان و شوکہ میں سے کچھ بھی میسر نہ تھا۔ اپنے دور کی سب سے بڑی

استعماری قوت سے ٹکرانے کا فیصلہ کیا تھا۔

عثمان دقنہؒ کی مختلف افراد سے ملاقاتیں اور ان کے نظریات ڈھکے چھپے نہ تھے۔ کچھ عرصہ پیشتر وہ انہی خیالات کی وجہ سے سواکن سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیئے گئے تھے۔ اب سواکن کے مقامی سربراہ جیلانی ابن عثمان نے حکام کو آگاہ کیا کہ عثمان دقنہؒ حکومت کے خلاف، ہنگامہ کھڑا کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ تاہم اس وقت ان کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا گیا۔ کسی حد تک شیخ طاہرؒ کا احترام آڑے آیا۔

عثمان دقنہؒ واپس بربر چلے گئے، وہاں کچھ مدت قیام کے بعد خرطوم سے ہوتے ہوئے العبید پہنچے اور یہ عجب اتفاق تھا کہ انہی دنوں مہدی سوڈانیؒ کو اس مقام پر ایک شاندار فتح نصیب ہوئی تھی۔ انگریزوں نے ۱۷ جنوری ۱۸۸۳ء کو العبید میں مہدی سوڈانیؒ کی فاتح افواج کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔

عثمان دقنہؒ کی امارت

مہدی سوڈانیؒ کو ایک اہم مہم درپیش تھی۔ انہوں نے تمام سربراہوں کا اجلاس طلب کیا تاکہ آئندہ پیش آنے والے معاملات کے بارے میں اہم فیصلے کریں اور ساتھ ہی ساتھ سواکن کے راستے مصری حکومت کو پہنچنے والی تمام امداد کا راستہ بند کرنے کے لئے کوئی تدبیر کریں۔

آئندہ فتوحات حاصل کرنے اور دفاعی استحکامات کے نقطۂ نظر سے یہ بات انتہائی اہمیت کی حامل تھی کہ سواکن کے راستے مصری حکومت کو کسی قسم کی کمک نہ پہنچنے پائے۔ عثمان دقنہؒ کے بھائی عمر ابو بکرؒ العبید کے محاصرے کے

دوران شہید ہو چکے تھے۔ وہ مہدی سوڈانی کے معتمد ترین ساتھیوں میں سے تھے۔
اب عثمان دقنہ کے پہنچنے پر مہدی کو بجا طور پر یہ توقع تھی کہ وہ سواکن کی ناکہ بندی کے سلسلے میں مدد کریں گے اور ان کی یہ توقع بے جا نہ تھی۔ عثمان دقنہ خود بھی ایسے ہی کسی موقع کی تلاش میں تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت تیار کر رکھی تھی اور اب جہاد کا موقع خود ان کا منتظر تھا۔ انہوں نے مہدی کو یقین دلایا کہ اب بحر احمر سے نیل کے راستے پر جانے والا کوئی بھی سرکاری قافلہ آگے نہیں بڑھ سکے گا اور وہ مہدی سوڈانی کی جانب سے اس علاقے کے امیر مقرر کر دیئے گئے اور ان کی معرفت مقامی سرداروں، محمد الامین، سید احمد الشنکیتی اور توفیق بے کے نام خطوط روانہ کئے گئے جن میں مختلف اہم ہدایات دی گئی تھیں۔

عثمان دقنہ نے امیر مقرر ہونے کے بعد سب سے پہلے بیرا رباب میں علی گلہاوی نامی فقیہہ سے ملاقات کی، وہ تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے اور پورے علاقے میں انہیں انتہائی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ معیب اور دیگر قبائل میں ان کا خاصا اثر و رسوخ تھا۔

علی گلہاوی اگرچہ خاصے عمر رسیدہ تھے، تاہم انہوں نے جہاد کی اس آواز پر لبیک کہا اور اپنے حلقۂ اثر میں اس دعوت کو پھیلانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنے کا یقین دلایا۔

عثمان دقنہ یہاں سے کوکریب اور وہاں سے خور ابیگ، والادہ (خورعرب) اور آمیت کے دیہات میں گئے اور وہاں مختلف افراد سے ملاقات کر کے یہی دعوت پہنچائی۔ اس وقت ان کے ہمراہ صرف پانچ افراد تھے، لیکن ان کی جرأت ایمانی اور

خلوص نے ان قبائل کے دلوں میں جگہ پیدا کر لی اور وہ افراد جو مرکزی حکومت سے الگ تھلگ اپنے گلے چرانے اور تجارت کرنے کے علاوہ کسی چیز سے سروکار نہ رکھتے تھے، اب ایسی تحریکِ جہاد سے منسلک ہو چکے تھے جو سوڈان ہی نہیں تمام دنیا میں اسلام کو سربلند کرنے کا مقصد رکھتی تھی۔

عثمان دقنہ کی پُرکشش شخصیت، اُن کی پُرخلوص گفتگو اور جذبۂ جہاد سب ان قبائل کو متاثر کر رہے تھے اور لوگ جوق در جوق ان کے ساتھ شامل ہو رہے تھے۔ اب انہیں جہاد اور شہادت اپنی تمام دلچسپیوں اور مال و متاع سے کہیں زیادہ عزیز ہو چکے تھے۔ یہ بات عجیب لگتی ہے کہ وہ لوگ جو اپنی مقامی لڑائیوں کے سوا دنیا کی کسی اور چیز سے سروکار نہ رکھتے تھے۔ ایک آفاقی نصب العین کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لئے تیار ہو چکے تھے وہ بات جو سواکن کے خوشحال تاجروں کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔ ان بظاہر بے بہرہ اور بباطن ایمان سے بہرہ ور قبائل کی زندگیوں کا مقصد بن چکی تھی۔

شیخ طاہرؒ کی شمولیت

مہدی سوڈانیؒ نے عثمان دقنہؒ کو جو خطوط دیئے تھے ان میں ایک خط شیخ طاہر کے نام بھی تھا۔ جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے یہ ایک اہم سلسلۂ تصوف کے مرشد تھے۔ ان کے تقویٰ کی وجہ سے عوام میں ان کا بے حد احترام کیا جاتا تھا اور اُن کے ایک اشارے پر اُن کے مُرید جان قربان کر دینے کے لئے تیار رہتے تھے۔

عثمان دقنہؒ مہدیؒ سوڈانی کے نائب اور امیر کی حیثیت سے ان کے پاس خط لے کر گئے، تو انہوں نے اس خط کو بوسہ دیا، اندر جا کر بستر سے تبدیل کئے،

اپنا جبّہ و قبہ اتار کر دہقانوں کا سا لباس زیب تن کیا اور اپنی مسند پر عثمان دفنہؒ کو بٹھا کر ان کے قدموں میں بیٹھ گئے۔ تصوّف کے اس اہم سلسلے کے مرشد کا جہاد کی آواز پر اس والہانہ انداز سے لبیک کہنا اس بات کی غمازی کرتا تھا کہ یہ مرشد رُشد و ہدایت کے ایک انتہائی اہم مقام پر فائز ہونے کے باوجود اطاعتِ امیر سے مکمل طور پر آشنا تھے اور جذبۂ جہاد اور ذوقِ شہادت سے بھی بدرجۂ کمال سرشار تھے۔

جہاد اور تصوّف تصوّف کے تمام سلسلوں کا جہاد سے بہت قریبی تعلق رہا ہے۔ امام شاملؒ سلسلۂ نقشبندیہ سے وابستہ ہونے کے ساتھ ساتھ زار کے خلاف مسلسل جہاد میں مصروف رہے۔ یہی حال سید احمد شہیدؒ کا تھا جو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے ہاتھ پر بیعت اور خلافت کے خرقے سے فیض یاب ہونے کے بعد سکھوں کے خلاف لڑتے ہوئے میدانِ بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ تصوّف اور جہاد کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ وقت آنے پر خرقے کے نیچے زرہ پہننے کی روایت کا تذکرہ کرتے ہوئے اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

تکیہ بر حجّت و اعجاز بیاں نیز کنند   کارِ حق گاہ بہ شمشیر و سناں نیز کنند[۱]
گاہ باشد کہ تہِ خرقہ زرہ می پوشند   عاشقاں بندۂ حال اند و چناں نیز کنند

۱۔ دلائل اور اعجاز بیاں پر بھی تکیہ کرتے ہیں۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ حقانیتِ اسلام کی تبلیغ کا فریضہ تلواروں اور نیزوں کی چھاؤں میں ادا کرتے ہیں۔ کبھی ایسے مواقع بھی

شیخ طاہرؒ کا جہاد کی آواز پر اس والہانہ انداز سے لبیک کہنا اور اس قدر عجز سے عثمان دقنہؒ کے قدموں میں آن بیٹھنا معمولی بات نہ تھی۔ بحر احمر کے پہاڑی سلسلے میں سب سے زیادہ مقبولِ عوام مرشد کی یہ عزت افزائی عثمان دقنہؒ کے لیے بہت بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ شیخ نے اپنے تمام مریدوں کو عثمانؒ کی اطاعت کرنے کا حکم دے دیا۔

دعوتِ جہاد

۲۸ جولائی ۱۸۸۳ء کو عثمان دقنہؒ کباب سے نکلے اور ارکوید پہنچے۔ یہ جگہ سنکات سے بیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ انتہائی خوب صورت نخلستان ہے جہاں ہر طرح کے درخت اور پھل پھول پائے جاتے ہیں۔ یہ پہاڑی سلسلے کے دامن میں واقع ہے، تاہم اس مختصر سی جگہ کو چھوڑ کر باقی تمام علاقہ سخت پتھریلا، بنجر اور ویران ہے۔ خاص ارکوید میں گلِ لالہ کی کئی قسمیں اور دوسرے انواع واقسام کے پھول یہاں پائے جاتے ہیں۔ اس پہاڑی سلسلے کے وسط میں ارکوید کی سرکاری گرمائی رہائش گاہ ہے۔ اس کے قریب ہی میٹھے پانی کے کوئیں ہیں جو واہاراسب کے نام سے مشہور ہیں۔

عثمان دقنہؒ نے یہاں پہنچ کر مختلف افراد سے انفرادی اور اجتماعی ملاقاتیں کیں۔ ان میں سے اپنی ذاتی اغراض کی وجہ سے جہاد کے مخالف تھے۔ جہاں تک تاجروں کا تعلق ہے وہ فطری طور پر جہاد سے کچھ زیادہ میل نہ رکھتے تھے۔ ان

آجاتے ہیں کہ خرقے کے نیچے زرہ پہننے پر مجبور ہوجاتے ہیں عاشقانِ الٰہی ایسے حال مست ہیں کہ بہ تقاضائے عشق وہ رضائے خداوندی کے لیے سب ہی کچھ کر گزرتے ہیں۔

کا خیال تھا کہ اس طرح ان کی تجارت اور کاروانوں کا سلسلہ درہم برہم ہو جائیگا۔ پھر امارار قبیلے کے لوگ بھی جو مدتوں سے کارواں چلانے اور نقل وحمل کی سہولتیں فراہم کرنے کا کام کرتے تھے۔ جہاد کے تصوّر کو اپنی معیشت کے منافی سمجھ رہے تھے۔ بنی عامر قبیلے کے لوگ ہدنڈوا کے روایتی دشمن ہونے کی وجہ سے عثمان دقنہؒ کا ساتھ نہ دے سکتے تھے، لیکن پھر بھی دیگر قبائل کے وہ افراد جو ذاتی اغراض سے بلند تھے اور جنہیں دنیاوی لذائذ سے اپنے پھندے میں گرفتار نہیں کیا تھا عثمانؒ دقنہ کی دعوتِ جہاد پر ان کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ شاراب، گرایب، بشاریاب (عثمان دقنہؒ کی ننھیال) تنکویراب اور مراغی، ان سب قبائل نے تحریکِ جہاد میں شامل ہونے فیصلہ کر لیا۔ شیخ طاہر کے مریدوں کے علاوہ آتیگا قبیلے کی ننگالائی شاخ بھی اس تحریک کے ساتھ مل گئی۔ عثمان دقنہؒ کا اپنا قبیلہ دقنائی بھی ان کے ساتھ تھا۔

اس طرح کچھ ہی عرصے میں وہی عثمان دقنہؒ جو صرف پانچ سواروں کے ہمراہ نکلے تھے، بے شمار قبائل کی سربراہی کر رہے تھے۔ کل سواکن کے تاجروں نے انہیں شہر بدر کر دیا تھا اور آج وہی بحرِ احمر کی موثر قوت بن کر ابھر رہے تھے۔

ایمان کے ایسے ہی متوالوں کے لئے علامہ اقبالؒ فرما گئے ہیں۔

جہاں میں اہلِ ایمان صورتِ خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے ادھر نکلے

جگہ جگہ شیوخ اجلاس طلب کر کے بیعتِ جہاد لے رہے تھے۔ عثمان دقنہؒ کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی آواز آج بحرِ احمر کے تمام ساحل پہ گونج رہی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ خلوص، تندہی اور محنت سے کیا ہوا کام کبھی رائیگاں نہیں جاتی

پہلے معرکے کا آغاز

اقتدار کے کان کھڑے ہوئے، وہ یہ گوارا نہ کر سکتا تھا کہ اسے کسی نوع کا خطرہ درپیش ہو۔ سواکن اور سنکات کے قصبوں کی عملداری اس وقت مقامی گورنر توفیق بے کے ہاتھ میں تھی جو کریٹ کا یہودی تھا۔ وہ پولیس لے کر سنکات پہنچا اور اس نے کوشش کی کہ کسی طرح مقامی افراد حکومت کا ساتھ دیں۔ امار قبیلے کی فضلاب شاخ کا محمود علی نامی شخص حکومت کا تنخواہ دار ایجنٹ تھا اسے دوسو پچاس روپے ماہانہ ملتے تھے جس کے عوض وہ ہرکارے مہیا کرتا تھا۔ سواکن سے بربر تک شاہراہ کی حفاظت بھی اسی کے ذمے تھی۔ وہ ۸ اگست کو ۴۰۰ افراد کے ساتھ توفیق بے کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ وہ واپس چلا جائے، اس صورت میں وہ سڑک کی حفاظت اپنے ذمے لے لے گا، تاہم توفیق اس نتیجے پر پہنچا کہ اس موقع پر اگر وہ واپس چلا گیا، تو اس سے انتظامیہ کی کمزوری کا اظہار ہوگا جو حکومت کے حق میں بہتر نہ ہوگا۔

سنکات ایک چھوٹا سا قصبہ ہونے کے باوجود سواکن بربر شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے بہت اہمیت کا حامل تھا۔ اسے سوڈان کا شرقی دروازہ کہا جا سکتا تھا۔ توفیق بے کی دلیل یہ تھی کہ اگر باغیوں نے قبضہ کرنے کی کوشش کی تو انہیں بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اس لئے اس نے قصبے کا دفاع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسے مہدوی تحریک کی طاقت کے بارے میں غلط گمان بھی نہ تھا۔ اس نے فوری طور پر ۲۰۰ سوار، ۲ ہزار پیدل فوج، تین توپیں اور چھ پہاڑی توپوں کے

منگوانے کے لئے لکھ بھیجا۔

اس کے ساتھ ساتھ اس نے دفاع کی تیاریاں مکمل کیں اور ساتھ ہی ساتھ تحریکِ جہاد کے ہمراہ شامل ہونے والے افراد کو اپنے ساتھ ملانے اور جوڑ توڑ کرنے میں مشغول ہو گیا۔ محمود علی نامی سرکاری ایجنٹ کی کوششوں سے شراراب قبیلے کا ایک شیخ ایلین عافیر حکومت کے ساتھ آن ملا اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دلائی۔

۲۸۔ اگست تک صورت حال یہ تھی کہ ہر چند ہزاروں کی تعداد میں عرب قبائل عثمان دقنہؒ کا ساتھ دینے کے لئے تیار تھے، لیکن اصل گروہ کی تعداد چند سو سے زائد نہ تھی۔ پھر ان کے پاس بھی نیزوں اور مکّوں کے علاوہ اور کوئی ہتھیار نہ تھے۔ اس کے باوجود عثمان دقنہؒ کے حوصلے انتہائی بلند تھے۔ انہیں اپنے مقاصد میں کامیابی کا پورا پورا یقین تھا اور ان کے ساتھی باطل کی قوّتوں سے ٹکرا جانے کے لئے بے چین تھے۔

عثمان دقنہؒ ارکویت سے نکل کر سنکات پر حملہ کرنے کیلئے بڑھے۔ اس وقت حکومت کے پاس بہت کم سپاہ تھی۔ اسی لئے موقع پرست افراد نے اپنی عافیت اِسی میں سمجھی کہ وہ عثمان دقنہؒ کا ساتھ دے دیں۔ وہ لوگ جو آخر وقت تک منتظر رہتے ہیں کہ جیتنے والے کا ساتھ دیں، اب مہدویؒ تحریک کی قوّت دیکھ کر اس کا ساتھ دینے پر آمادہ تھے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی چاہتے تھے کہ کشت و خون نہ ہو، چنانچہ انہوں نے توفیق بے کو ہتھیار ڈال دینے پر آمادہ کرنے کی کوششیں جاری رکھیں۔

توفیق چاہتا تھا کہ اُسے مذاکرات کے ذریعے زیادہ سے زیادہ وقت مل جائے تاکہ وہ اپنے دفاعی انتظامات کو مستحکم کرلے۔ وہ برابر مذاکرات کو طول دیتا رہا۔ بار بار ہرکارے آتے جاتے رہے۔

جب عثمان دقنہؒ نے حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ سنکات کے حصار میں صرف آٹھ کمروں کی ایک بیرک تھی جس میں دفاعی استحکامات نہ ہونے کے برابر تھے۔ اب دشمن نے دیواریں توڑ کر ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جانے کے لئے راستہ بنالیا تھا۔ دروازوں کو مضبوط کرلیا گیا تھا اور گویا اب یہ بیرک اچھا خاصا مورچہ بن چکی تھی جس میں بیٹھ کر کامیابی سے مقابلہ کیا جا سکتا تھا۔

پہلا معرکہ اور شکست

عثمان دقنہؒ مذاکرات کے طول پکڑ جانے سے خوش نہ تھے۔ بالآخر انہوں نے الٹی میٹم دیا کہ دوپہر کے سایے ڈھلنے سے پیشتر سنکات کا حصار ہتھیار ڈال دے ورنہ حملہ شروع کردیا جائیگا۔

اس وقت تک توفیق دفاعی تیاریاں مکمل کرچکا تھا۔ اس لئے اس نے جواب بھیجا کہ وہ اس جگہ کا آخری دم تک دفاع کرے گا؛ چنانچہ عثمان دقنہؒ نے چاربجے شام حملے کا آغاز کردیا۔ بیرک کی مغربی جانب ایک خشک نالہ تھا جس کے قریب قبرستان تھا۔ عثمان دقنہؒ نے یہاں تھوڑی دیر توقف کیا اور تھوڑے سے افراد جو پہلے مارے باندھے اس مہم میں شامل ہوئے تھے اور چاہتے تھے کہ اس آزمائش میں نہ پڑیں، ان سے الگ ہوگئے۔ اب ان کے ساتھ ۳۰۰ افراد رہ گئے جو آخر دم تک ان کے ہمراہ لڑنے اور جامِ شہادت نوش کرنے کے لئے تیار تھے۔

دوسری جانب توفیق بے کے ساتھ صرف ۷۰ افراد تھے، لیکن وہ سب کے سب بہترین ہتھیاروں سے مسلح تھے، جبکہ عثمان دقنہؒ کے ساتھیوں کے پاس نیزوں اور مکوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

جب مجاہد آگے بڑھے اور بیرک سے دس گز کے فاصلے پر آگئے، تو اُن کی گولیوں کی بارش شروع ہو گئی، لیکن مجاہد برابر آگے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ دروازے توڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ عثمان دقنہؒ خود اس کمرے تک جا پہنچے، جہاں توفیق بے تھا، لیکن توفیق کے ایک اردلی نے جو پاس ہی کھڑا تھا، ان کے سر اور کلائی پر وار کیا۔ وار اس قدر سخت تھا کہ وہ نیچے گر پڑے۔ الطیب نامی اردلی نے ایک اور شدید وار کیا، لیکن اسی اثنار میں عثمان دقنہؒ کے ساتھی انہیں باہر لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔

آدھ گھنٹے کی اس دست بدست جنگ میں ۲۰۰ کے لگ بھگ مجاہدین شہید ہو گئے۔ عثمان دقنہؒ کے زخم خاصے شدید تھے، لیکن اللہ تعالےٰ کو ان کی زندگی منظور تھی۔ وہ ایک ماہ کے بعد صحت یاب ہو گئے۔

بیرک کا دفاع کرنے والوں میں سے سات افراد ہلاک ہوئے اور دو افراد اور ۱۰ سپاہی زخمی۔ خود توفیق بے کو شدید ضربیں لگیں۔ اسے کچھ درویشوں نے مکوں سے مارا تھا۔

عثمان دقنہؒ اور ان کے ساتھیوں کی یہ شکست خاصی ہولناک تھی۔ احمد دقنہؒ جو عثمان دقنہؒ کے چچازاد بھائی تھے اس معرکے میں شہید ہوئے۔ اسی طرح اُن کے بیٹے ایک اور چچازاد بھائی اور چھ نامور شیوخ نے جن میں فقیہہ محمد دقنہؒ شامل

تھے جامِ شہادت نوش کیا

شیخ طاہرؒ کی مدد

توفیق بے نے اس فتح سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مقامی آبادی کو اپنے ساتھ ملانا چاہا۔ کئی کم ہمت اور بزدل افراد اس کے ساتھ جا ملے۔ تاہم کئی افراد نے حکومت کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ ان میں سواکن کے قاضی شیخ محمد طاہرؒ بھی تھے جو لڑائی شروع ہونے سے پہلے تمینب جا چکے تھے اور وہاں عثمان دقنہؒ کے منتظر تھے۔ وہ بعد میں سواکن پلٹ آئے اور جب انہیں معلوم ہوا کہ عثمان دقنہؒ کو شکست ہو گئی ہے اور وہ خود زخمی ہو گئے ہیں، تو انہیں شدید صدمہ ہوا۔

انہوں نے فوراً شہر کے سربرآوردہ لوگوں کا ایک اجتماع طلب کیا۔ ان کے سامنے عثمان دقنہؒ کی روشن مثال پیش کی اور انہیں ترغیب دلائی کہ وہ بھی ان کی طرح حق کا ساتھ دیں اور چاہے کتنا ہی نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑے باطل کی قوتوں کا بہر صورت مقابلہ کریں۔ وہ راتوں رات عثمان دقنہؒ کے پاس پہنچے اور انہیں تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

اس کے دوسرے دن ہداب قبیلے کے ۱۵۰۰ افراد عثمان دقنہؒ کی مدد کے لئے آن پہنچے۔ کمک پہنچنے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ سواکن سے سنکات اور کسالہ جانے والی سڑکوں کو مسدود کر دیا جائے؛ چنانچہ کسالہ کو ملانے والی ٹیلیگراف لائن کو کاٹ دیا گیا اور ساتھ ہی یہ خبر عام کر دی گئی کہ تمام قبائل عنقریب حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔

دوسرا معرکہ اور شکست

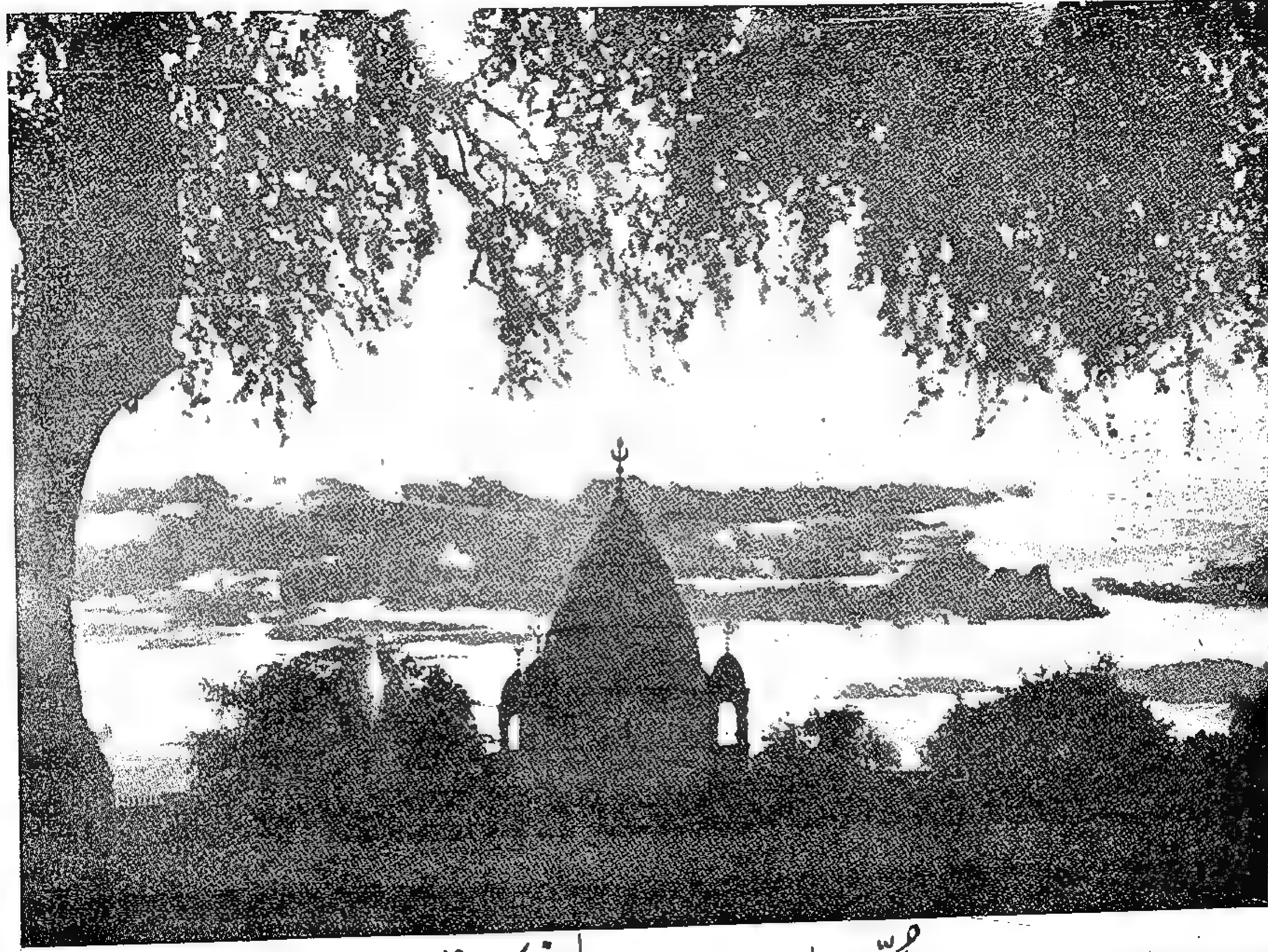
آئندہ ماہ کے دوران مشرقی سوڈان میں کوئی اہم

واقعہ پیش نہ آیا۔ توفیق بدستور دفاعی استحکامات میں مصروف رہا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ یہ معلومات بھی اکٹھی کرتا رہتا کہ عثمان دقنہ کے ٹھکانے کہاں کہاں ہیں تاکہ انہیں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

ستمبر کے اوائل میں توفیق عثمان دقنہ کا پیچھا کرتے کرتے سنکات کے قریب طادی کے مقام پر پہنچا اور اس کے بعد ارکویت سے خور شغات ہوتا ہوا گباب پہنچا۔ اس کے ہمراہ ۲۰۰ افراد تھے۔ ۱۰ ستمبر کو اس نے ایک کنویں کے اردگرد کانٹوں کا حصار بنایا اور اپنے سپاہیوں کو دفاعی پوزیشنوں میں بٹھا دیا۔

اگلی صبح عثمان دقنہ اور ان کے ساتھیوں نے حملہ کر دیا۔ لیکن یہاں بھی انہیں ہزیمت اٹھا کر پسپا ہونا پڑا۔ گھمسان کا رن پڑا اور ستر افراد شہید ہوئے۔

توفیق نے اب تک مجاہدین کو دو بار شکست دے چکا تھا۔ حکومت اب پوری طرح مطمئن تھی کہ عثمان دقنہ اور ان کے ساتھیوں کی قوت کو ختم کیا جا چکا ہے۔ اس اثنا میں سلیمان پاشا نیازی مشرقی سوڈان کا گورنر مقرر ہو کر آ چکا تھا۔ اسے سواکن بھیجا گیا جہاں کا کمانڈر محمود پاشا طاہر تھا۔ سلیمان پاشا کا خیال تھا کہ معاملات کو غلط طور پر نمٹایا گیا ہے۔ اسلحہ اور قوت کے استعمال کی بجائے حکمت عملی کو بروئے کار نہیں لایا گیا۔ اس نے مختلف جگہ تقاریر کیں۔ اسے ہر جگہ استقبالیے دیئے گئے۔ اس نے مقامی سرداروں کو تحائف دیئے۔ اب وہ سنکات پہنچا۔ اس نے وہاں جا کر اہم افراد کا اجلاس بلایا اور حکومت کے وفادار افراد پر زور دیا کہ وہ عثمان دقنہ کو گرفتار کرنے میں ہر ممکن مدد دیں۔ تاہم عثمان دقنہ کے خلاف کوئی فوری اقدام مناسب نہ سمجھا گیا۔



[illegible] سوڈانی کا مقبرہ

مجاہدین کا کامیاب چھاپہ

سلیمان پاشا نے سواکن سے نئے لئے سنکات تک سپاہ بھجوانے کے انتظامات جاری کئے۔ اس نے افسر کمانڈر کو ہدایات دیتے ہوئے کہا کہ سڑک محفوظ ہے اس لئے سپاہی اپنے بیوی بچے بھی ہمراہ لا سکتے ہیں۔ چنانچہ ۱۵۰ مصری سپاہی، محمد آفندی خلیل کی قیادت میں ۱۰ اکتوبر کو خور آبند کے راستے سنکات جانے کے لئے چل پڑے۔ ان سپاہیوں کے ہمراہ روانگی کرنے والے افراد متعین نہیں کئے گئے تھے۔ راستے میں حفاظت کے خیال سے دفاعی پوزیشنیں بھی اختیار نہ کی گئیں۔ ہر ہر سپاہی اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ سفر کر رہا تھا یوں اس قافلے کی حیثیت مارچ کرنے والے سپاہیوں سے کہیں زیادہ مسافروں کی سی تھی۔

عثمان دقنہ کے گوریلا مجاہد ایسے ہی موقع کے منتظر تھے جہاں وہ دشمن پر چھاپہ مار کر انہیں تہس نہس کر سکیں۔ ان کا اندازہ غلط ثابت نہ ہوا جونہی یہ مصری سپاہی خور آبند کے تنگ درے میں پہنچے، وہاں غراب قبیلے کے گھات میں بیٹھے ہوئے مجاہد تمام سپاہیوں کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ صرف چھ سات افراد جان بچا کر سواکن پہنچنے میں کامیاب ہو سکے۔ مجاہدین کو مالِ غنیمت میں ۱۰۰ رائفلیں اور ۳۰ ہزار گولیاں ہاتھ لگیں۔

جب یہ خبر سنکات پہنچی، تو توفیق بہت برہم ہوا اس نے سلیمان پاشا کو اس تمام صورتِ حال کا ذمہ دار ٹھہرایا۔

اب سلیمان پاشا کے دوبارہ سواکن جانے کا مسئلہ درپیش تھا مصری سپاہیوں کا عبرت ناک انجام دیکھنے کے بعد کوئی اس کے ہمراہ جانے کے لئے تیار نہ تھا۔

نوبت یہاں تک پہنچی کہ اب قرعہ کے ذریعے فیصلہ کیا گیا کہ کون ہمراہ جائے۔ اور قرعہ اندازی کے بعد ۲۵ شُتر سواروں کا ایک حفاظتی قافلہ ترتیب دیا گیا۔ سلیمان پاشا کی خوش بختی کہیئے کہ یہ قافلہ خیر و عافیت سے تیسرے دن سواکن پہنچ گیا۔

گذشتہ کامیابی نے مجاہدین کے حوصلے بلند کر دیئے تھے۔ رائفلوں اور گولیوں کی وجہ سے اُن کی دفاعی صلاحیت بھی پہلے کے مقابلے کہیں بہتر ہو گئی تھی۔ اب ان کے ساتھ پانچ چھ سو افراد آن ملے تھے۔

اس اثناء میں سلیمان پاشا نے سکیم بنائی کہ کسی طرح مذاکرات اور گفت و شنید کے ذریعے عثمان دقنہ کو جہاد سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے اور حکومتِ وقت کا مطیع بننے پر آمادہ کر لیا جائے۔ انہیں مختلف لالچ دیئے گئے، لیکن عثمان دقنہ نے بقوائے

برو ایں دام بر مرغِ دگر نہ کہ عنقارا بلند است آشیانہ

ان کے دام میں آنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے تمام ترغیبات کا ایک مختصر لیکن مؤثر جواب ان الفاظ میں دیا

أَنَا قَائِمٌ فِي دِيْنِ اللّٰه

(میں اللہ کے دین پر استقامت سے ڈٹا ہوا ہوں)

مجاہدین کا بھرپور حملہ

اللہ تعالیٰ کے راستے پر اگر استقامت سے گامزن رہا جائے، تو تمام دشواریاں آسان ہو جاتی ہیں۔ اب مختلف علاقوں کے افراد تحریکِ جہاد کے پرچم تلے آنے کے لئے بے تاب

تھے۔ آرتیگا کے فقیہہ محمود، خضر اور موسٹے اور توکر کے نزدیک گمیلاب کے شیخ حسن بھی عثمان دقنہ کے ساتھ جا ملے۔ عرب قبائل کی بہت بڑی تعداد نے جہاد کی دعوت پر لبیک کہا۔

اب عثمان دقنہ نے جنگ کا نقشہ ترتیب دیا۔ انہوں نے کچھ قبائلی افراد سنکات پر حملہ کرنے کے لئے متعین کیا اور باقی ماندہ مجاہدوں کے ہمراہ تمیناب سے چل پڑے۔ اس وقت تمیناب کو مرکز جہاد کی حیثیت حاصل تھی۔ ایک طرف توکر کا محاصرہ کرنے کا ارادہ تھا، دوسری طرف مصطفےٰ ہدال کو کسالہ پر حملہ کرنے کے لئے بھجوا دیا گیا۔

مجاہدین کے مقابلے کے لئے دشمن نے ۵۰۰ سپاہیوں پر مشتمل ایک دستہ جس کے ہمراہ ایک توپ بھی تھی روانہ کیا۔ اس کی کمان محمود پاشا طاہر کر رہا تھا۔ قونصل لنی ڈوچ موبخرلیف اور چار یونانی افراد بھی اس کے ہمراہ تھے۔ یہ سپاہ خدیو کے دخانی جہازوں "طور" اور "غفاریہ" پر سوار ہو کر ۳۔ نومبر کو سواکن سے چل پڑے اور اگلی صبح ترنکیبات پہنچے جو توکر سے سے نزدیک ترین بندرگاہ تھی۔ توکر سواکن سے پینتالیس میل جنوب کی طرف واقع تھا۔

۴۔ نومبر کی صبح ۸ بجے یہ سپاہ توکر جانے کے لئے روانہ ہو گئی۔ ترنکیبات سے ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پر سپاہ کچھ دیر سستانے کے لئے ٹھہری اور وہ دوبارہ چلنے کے لئے تیار ہی ہو رہے تھے کہ مجاہدین قہرِ الٰہی کی طرح ان پر ٹوٹ پڑے۔ ڈیڑھ دو سو کے لگ بھگ مجاہدین جن کے پاس صرف لاٹھیاں اور بھالے تھے، دشمن کے عین درمیان جا گھسے اور لکڑوں سے پٹائی شروع کر دی۔

بھگدڑ مچ گئی۔ پوری مصری سپاہ سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگی۔ باوجود اس بات کے کہ ان پاس بہترین اسلحہ موجود تھا، ایک توپ بھی ہمراہ تھی۔ انہیں کسی چیز کا ہوش نہ رہا، مجاہدین کے اچانک حملے نے انہیں حواس باختہ کر دیا صورت حال یہ تھی کہ تمام فوج گولہ بارود، اسلحہ، حتیٰ کہ اپنے کپڑے تک چھوڑ کر فرار ہو گئی۔

مصری فوج کے نقصانات یہ تھے: ۱۱ افسر، ۱۲۰۴ سپاہی اور چھ باشی بزوک ہلاک ہوئے۔ ایک توپ، ۳۰۰۰ رائفلیں اور ۵۰ ہزار گولیاں مجاہدین کے ہاتھ لگیں۔

دوسری طرف مجاہدین کا نقصان نہ ہونے کے برابر تھا۔ یہ دوسری اہم فتح تھی جو انہیں حاصل ہوئی۔

ساحل پر پہنچتے ہی محمود پاشا اپنے بھگوڑے سپاہیوں کو اکٹھا کرنے کی بجائے جو بھی افراد اس کے ہمراہ سوار ہو سکے انہیں ساتھ لے کر چل پڑا۔

عثمان دقنہؒ نے اس کامیابی کی اطلاع دیتے ہوئے مہدی سوڈانیؒ کے نام ایک خط میں یوں لکھا:

"۴ محرم (۵ نومبر ۱۸۸۳ء) کو مصری سپاہیوں کا ایک دستہ جس کی قیادت ایک پاشا کر رہا تھا اور جس کے ہمراہ ایک عیسائی قونصل بھی تھا، سواکن سے توکر جانے کے لئے ساحل پہ اترا۔ انصار نے ان پر اچانک حملہ کر دیا اور ان کے ۷۰۰ افراد کو ہلاک کر دیا۔ ہمارے صرف ۲۷ افراد شہید ہوئے۔"

برطانوی افواج کی مشکلات جب یہ شکست خوردہ فوج واپس سواکن پہنچی، تو

پورے علاقے میں مجاہدین کی دہشت بیٹھ گئی محمود پاشا تو اس قدر خوفزدہ تھا کہ اس نے "تور" نامی سٹیمر میں جو بندرگاہ پر لنگر انداز تھا۔ پناہ لی اور اس سے باہر نکلنے سے انکار کر دیا۔ الغرض پورے سواکن کے حوصلے انتہائی پست تھے۔ وہ نہتے مجاہدین کے نام ہی سے لرزہ براندام ہو جاتے تھے۔ بھاگے ہوئے سپاہیوں نے ان کی جو داستانیں سنائی تھیں۔ انہوں نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔

یاد رہے کہ سواکن اس دور میں سوڈان کی اہم ترین بندرگاہ تھی جہاں سے یورپ، ہندوستان اور بحر احمر کے عرب سواحل سے تجارت کی جاتی تھی۔ صرف بربر سے سواکن پہنچنے والے سامان کا اندازہ ایک کروڑ روپے سے زائد کا تھا۔ براعظم افریقہ کی تمام تر قیمتی برآمدات اسی بندرگاہ کے ذریعے سے جاتی تھیں۔

برطانوی افواج کی مشکلات

۲۴۔ نومبر کے لگ بھگ یہ افواہ گرم ہو چکی تھی کہ ہک کی تمام فوج تباہ کی جا چکی ہے۔ تین روز بعد برطانوی وزارتِ خارجہ نے سر ایولیین بارنگ کو تار کے ذریعے اطلاع دی کہ برطانوی حکومت سوڈان میں فوجی مہمات کے نتائج کی ذمہ دار نہ ہو گی۔

اب یہ مناسب سمجھا گیا کہ خرطوم کا جہاں تک ممکن ہو سکے دفاع کیا جائے تاکہ پورے ملک میں بکھری ہوئی افواج پس قدمی میں کامیاب ہو سکیں۔ سواکن کا دفاع کیا جانا بھی ضروری تھا، لیکن ساتھ ہی حملہ کرنے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب توکر اور سنکات پر مجاہدین کے تابڑ توڑ حملے جاری تھے۔

سواکن پر مجاہدین کسی وقت بھی حملہ کر سکتے تھے۔ اس جگہ کی حفاظت کا واحد برطانوی گن بوٹ "کوکٹ" اور فرانسیسی گن بوٹ کوروٹ تھی۔

۲۶ نومبر اور ۳۰ نومبر کے درمیان سواکن پر حملہ کرنے کی کئی بار کوشش کی گئی۔ ۲۶ نومبر کو سلیمان پاشا نے سنکات اور توکر کے دفاعی حصار کو مضبوط کرنے کے لئے حبشی سپاہ بھجوانے کا فیصلہ کیا۔ ۷۰۰ افراد پر مشتمل یہ سپاہ (جس میں ۴۰۰ سوڈانی اور ۲۲۵ مصری شامل تھے) ۲۵ گھوڑ سواروں اور ایک پہاڑی توپ کے ہمراہ سلجاک کاظم آفندی کی قیادت میں روانہ ہو گئی۔ انہیں تمائی اور تامنیب کے ذریعے سنکات پہنچنا تھا

یہ سپاہ روانہ ہوئی تو انہیں راستے میں خورگواب کے مقام پر کچھ عربوں سے سابقہ پڑا، جنہیں اس نے مار بھگایا۔ ۲۔ دسمبر کو یہ سپاہ تمائی جا پہنچی۔ یہ جگہ ۲۴ میل کے فاصلے پر تھی۔ راستے میں پیاس کی شدت سے ان کا برا حال ہو چکا تھا؛ چنانچہ یہاں آتے ہی سپاہی پانی کے کنوؤں پر ٹوٹ پڑے — جب یہ سپاہ پانی پی رہی تھی، تو ۳۰۰ کے قریب عرب مجاہدوں نے ان پر حملہ کر دیا۔

اس وقت اس سپاہ کی حالت اس قدر خستہ تھی کہ انہیں سوائے بھاگنے کے اور کچھ نہ سوجھی، لیکن عرب مجاہدوں نے انہیں بھاگنے تک کا موقع نہ دیا۔ پوری سپاہ میں سے صرف دو سٹاف افسر، ۱۵ گھوڑ سوار اور ۱۸ پیادہ فوج کے سپاہی بچ کر سواکن پہنچ سکے۔

اس وقت سواکن کی صورتِ حال اس قدر نازک ہو چکی تھی کہ اگر مجاہدین سواکن پر فوری حملہ کر دیتے، تو یہ شہر ہتھیار ڈال دیتا۔ جہاں ایک طرف عثمان دقنہ

کی سپاہ کے حوصلے انتہائی بلند تھے، وہاں سواکن کے باشندوں کا خوف کے مارے برا حال تھا۔ وہ لوگ جو اب تک ڈگمگا رہے تھے۔ اب مہدیؒ کی صداقت پر ایمان لے آئے تھے اور اُن کی تحریکِ جہاد کا ساتھ دینے پر آمادہ تھے۔

عثمان دقنہؒ نے مہدی کے نام ایک خط میں لڑائی کا حال بیان کرتے ہوئے یوں لکھا:

"جب مجاہدین سواکن کا محاصرہ کرنے کے لئے بڑھے، تو سواکن کے حصار نے قاسم کی قیادت میں (جو علاؤالدین کا معتمد علیہ ہے اور توفیق کی طرح فنِ حرب میں ا ہر) گیارہ سو افراد پر مشتمل ایک دستے کو ہمارے مقابلے کے لئے بھیجا۔ اس نے گورنر سے وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھے اور شیخ طاہر کو زندہ گرفتار کر کے سواکن لے آئے گا۔ غالباً اسے اللہ تعالےٰ کی قوت کا علم نہ تھا۔ اس کا تمام تر اعتماد اپنی سپاہ پر تھا جسے اس نے تربیت یافتہ 'جہادیہ' دستے سے منتخب کیا تھا۔ وہ سواکن سے نصف شب کے قریب نکلا، تاکہ مقامی افراد کو معلوم نہ ہو سکے اور دم میں بے خبری میں آن لے۔ یکم صفر کو ہمارا اُن سے مقابلہ ہوا۔ انہوں نے ہم پر گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ اُن کا سردار ہماری بے سروسامانی پر ہنس رہا تھا، لیکن ہم نے اسے ہر طرف سے گھیر لیا۔ اِس جنگ میں کم و بیش دشمن کی تمام فوج ماری گئی، ہمارے ۸۰ افراد شہید ہو گئے۔"

اس وقت توکر کو ۳ ہزار مجاہدوں نے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ شیخ طاہر کی قیادت میں سنکات کا محاصرہ کرنے والی افواج کی کل تعداد ۱۱ ہزار تھی۔ جب کہ عثمان دقنہؒ نے تمانیب روڈ پر تقریباً سات ہزار مجاہد جمع کر رکھے تھے۔ انگریزوں

کے لیے سخت نازک مقام آن پہنچا تھا۔ پورے مشرقی سوڈان پر مہدویت کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ عثمان دقنہ کی حیثیت انتہائی مستحکم تھی۔ وہ دشمن کو عبرت ناک شکستیں دے چکے تھے اور ان کے نام کی دھاک پورے مشرقی سوڈان پر بیٹھ چکی تھی۔

باب دوئم

انگریزوں کی مشکلات

سلطنتِ برطانیہ مصر اور سوڈان میں ہونے والے واقعات سے اپنی آنکھیں بند نہ کر سکتی تھی۔ یہ وہ دور تھا جب اس کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ سنگاپور سے انگلستان تک پھیلی ہوئی اس نوآبادیاتی قوت کی شہ رگ سوڈان اور مصر کے ساحل سے ہو کر گزرتی تھی۔ یہاں پیش آنے والے واقعات اس کے تمام ذرائع رسل و رسائل پر اثر انداز ہو سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ برطانیہ کو یہاں کے حالات پر تشویش تھی۔ پھر دوسری طرف یہ نوآبادیاتی طاقت مسلم دنیا کے ایک بہت بڑے حصّے پر قابض تھی۔ اس وقت برطانوی سلطنت میں بیس کروڑ مسلمان آباد تھے۔ پھر یہ مسلمان بے کس و لاچار اور مجبورِ محض نہ تھے۔ انہوں نے اپنی پوری قوت سے اس نئے استعمار کو قابض ہونے سے روکنے کی کوشش کی تھی۔

صرف ۲۵ سال قبل ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمانوں نے جنگِ آزادی لڑی تھی اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ دہلی سے لکھنؤ جانے والی سڑک کے دو رویہ درختوں نے اپنی شاخوں پر ان کے خون میں لتھڑی ہوئی لاشوں کو سجایا تھا اور آخری مغل شہنشاہ نے اپنے بیٹوں کے پلیٹ میں سجے ہوئے سر دل کو بوسہ دیا تھا۔ پھر ان واقعات کے صرف چھ سال بعد امبیلا درّے نے ایک منظر دیکھا تھا۔ اس وقت کے برطانوی ہند کی سب سے بڑی فوج بنگال، بہار

یوپی اور پنجاب کے چند بے سروسامان مجاہدوں کے ہاتھوں اس بُری طرح شکست کھا کر واپس آنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ پورے شمالی ہندوستان کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ دس ہزار کے لگ بھگ فرنگی فوج تہِ تیغ کر دی گئی تھی اور اس فوج کا کمانڈر جنرل چیمبرلین شدید زخمی ہو گیا تھا۔

یہ تمام واقعات اس بات کے شاہد تھے کہ مسلمانوں کا جذبہ جہاد کسی بھی استعماری قوت کو پاش پاش کر سکتا تھا۔

برطانوی سنگینوں نے جہاد کے نشے میں سرشار مجاہدوں کے گرم لہو کا ذائقہ چکھا تھا اور برطانیہ کے دفترِ جنگ میں بیٹھے ہوئے سٹاف افسروں کے قلم انگریزی سپاہ کے نقصانات کا چارٹ تیار کرتے وقت کئی بار ہاتھوں میں لرزے تھے اور اب ایک بار پھر انہیں جہاد سے واسطہ پڑ رہا تھا جس سے بڑھ کر ناخوشگوار لفظ ان کی لغت میں نہ تھا

سوڈان سے انگریزوں کی پسپائی

برطانوی مدبّروں، فوجی امور کے ماہروں اور خارجہ پالیسی بنانے والے شہریاروں کی تمام تر تعداد ماضی کے تجربات کو سامنے رکھتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچی کہ اسے اس دلدل سے بچ نکلنے کی پوری کوشش کرنا چاہیئے۔

۱۹ نومبر ۱۸۸۳ء کو سر ایولن بارنگ ارل گرینول کو یہ تار دے چکے تھے کہ سوڈان کی صورتِ حال انتہائی تشویشناک ہو چکی ہے، مصری حکومت اس کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے۔ جنرل ہکس اور اس کی فوج پہ کیا گزری، اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ اگر یہ فوج تباہ ہو چکی ہو تو پھر تمام سوڈان ہاتھ سے نکل جائے

گا۔ بیرونی امداد کی شدید ضرورت ہے جس کے بغیر بہتری کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی۔ یہ عین ممکن ہے کہ مصری حکومت برطانیہ سے برطانوی یا ہندوستانی فوج بھجوانے کے لئے درخواست بھجوائے ''۔

برطانوی دفترِ خارجہ نے اس پیغام کا جواب یوں دیا تھا: '' برطانوی یا ہندوستانی فوج بھجوانا ممکن نہیں ہمارا مشورہ یہ ہے کہ کچھ تحفظات کے بعد سوڈان کو خالی کر دیا جائے ''۔

دو روز بعد ارل گرینول نے سرای بارنگ کو لکھا کہ مشرقی ہندوستان کی بحریہ کے کمانڈر انچیف کو ہدایات دی گئی ہیں کہ وہ سواکن، ماسوا اور بحر احمر کی دیگر بندرگاہوں پر مصری حکومت کا اقتدار قائم کرنے میں مدد دے گا''۔

۲۵ ڈسمبر کو دفترِ خارجہ سے ایک اور پیغام موصول ہوا جس میں کہا گیا تھا کہ برطانوی حکومت کوئی ایسا اقدام نہیں کر سکتی جس کی وجہ سے سوڈان کی مہمات کی ذمہ داری اس کے سر آن پڑے مصری حکومت کو تمام مہمات کی ذمہ داری خود قبول کرنا ہوگی''۔

حقیقت یہ ہے کہ برطانوی حکومت سوڈان میں کسی نوع کی فوجی مہم کا آغاز کرنے سے ہچکچا رہی تھی۔

اس پیغام کی وصولیابی کے دوسرے ہی دن سرای بارنگ نے جنرل سٹیفنسن سر ایولن وڈ اور جنرل بیکر کو بلا کر ان سے سوڈان کی صورتِ حال پر تبادلہ خیال کیا۔ وہ سب اس نتیجے پر پہنچے کہ مصری حکومت سوڈان میں اپنے اقتدار کو قائم نہیں رکھ سکتی۔ اگر ممکن ہو تو خرطوم کو اس وقت تک قبضۂ اقتدار میں رکھا

جائے۔ جب تک کہ وہ تمام چھاؤنیاں خالی نہیں کر والی جاتیں جو دُور دراز اور غیر محفوظ مقامات پر واقع ہیں۔ اس پس قدمی کو کامیاب بنانے کے لئے سواکن بربر شاہراہ کا کھولا جانا انتہائی اہم تھا۔ ۲۶ نومبر کو جہاز "رینجر" عدن سے پہنچا۔ اس کے پندرہ دن بعد فرانسیسی جہاز "انفرنا" بھی آن پہنچا۔

۳۔ دسمبر کو سرایولن بارنگ نے دفترِ خارجہ کو صورتِ حال کے بارے میں رپورٹ بھجوائی۔ اس وقت جنرل ہکس اور اس کی فوج کے بچ نکلنے کے امکانات بہت کم تھے۔ برطانوی افواج اپنے بچاؤ کے لئے ہاتھ پیر مار رہی تھیں۔

اس وقت سوڈان میں مصری فوج کی کل تعداد ۲۴ ہزار تھی، لیکن وہ پورے سوڈان میں جگہ جگہ منتشر تھیں ہکس کی فوج کی تباہی کا مطلب یہ تھا کہ مہدی سوڈانی کے خلاف واحد موثر قوت ختم ہو جاتی۔ ۲۴ ہزار افواج میں سے ۱۵۰۰ خرطوم کے شمال میں نیل کے ساحل پر۔ ۲۵۰۰ خرطوم میں اور ۴ ہزار دریائے نیل کے ساتھ ساتھ مقیم تھیں۔ مشرقی اور مرکزی سوڈان میں ۸۵۰۰ سپاہی تھے جن میں سے ۴ ہزار سینار اور اس کے گرد و نواح میں مقیم تھے۔ دارفر میں ۵ ہزار، بحرالغزال میں ایک ہزار اور استوائی صوبوں میں ۲ ہزار۔ اس کے علاوہ مساوا، سنہٹ اور دوسری چھوٹی چھاؤنیوں میں ساڑھے آٹھ ہزار کے قریب سپاہی موجود تھے

برطانیہ کی دفاعی صورتِ حال

سرایولن بارنگ نے صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہوئے اس بات کی طرف دوبارہ توجہ دلائی کہ مصری حکومت کا ارادہ یہ ہے کہ خرطوم کے دفاع کی ہر ممکن کوشش کی جائے اور سواکن سے بربر جانے والی شاہراہ پر مواصلات کے نظام کی ہر ممکن حفاظت ہو۔

مؤخر الذکر کام کے لیے مندرجہ ذیل مقامات پر افواج موجود تھیں:

۱۔ سواکن کی چھاؤنی کے ۱۸۰۰ سپاہی (حقیقت یہ تھی کہ جب سرای بارنگ یہ تخمینہ لگا رہا تھا، اس تعداد میں ۷۰۰ کی کمی ہو گئی تھی؛ کیونکہ کاظم بے کی زیرِ کمان مصری فوج کو شدید جانی نقصانات اٹھانے پڑے تھے)

۲۔ دو ہزار مقامی سپاہ

۳۔ ۴ سو حبشی سپاہ جسے مساوا سے آنا تھا

۴۔ کچھ بدو اور سوڈانی سپاہ، جسے مصر کے زیریں علاقے سے بھرتی کرکے زبیر پاشا کی زیرِ نگرانی دفاع سنبھالنا تھا۔

سرای بارنگ نے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ جنرل سٹیفنسن اور سرایولین وڈ کے خیال میں مہدی کے فوری حملے کی صورت میں مصری سپاہ کے لیے خرطوم کی حفاظت کرنا ممکن نہ ہوگا؛ تاہم مصری حکومت اس حقیقت سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہے کہ خرطوم مہدی کے قبضے میں آنے سے بچ نہیں سکتا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ سواکن کی بندرگاہ کے علاوہ سوڈان کا تمام علاقہ قبضہ سے نکل جائے گا۔

ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اگر سوڈان مصر کے ہاتھوں سے نکل گیا، تو مصر کی جنوبی سرحد کا تعین کیسے ہوگا؟ کیا مصر کی سرحد وادیٔ حلفہ ہو گی یا اسوان؟ ان دونوں صورتوں میں مصر کی یہ پالیسی کہ اپنی حفاظت کے لیے جنوب میں دُور تک سرحدی چوکیاں قائم کی جائیں، غلط قرار پاتی تھی۔ تمام سرحدی چوکیوں کو خالی کرنے کا یہ مفہوم یہ تھا کہ مجاہدین کسی وقت بھی مصر کی دہلیز پر پہنچنے میں کامیاب

ہو سکتے تھے۔ پچھلے چند ماہ میں مصری افواج کو بُری طرح شکستوں پر شکستیں ہوئی تھیں۔ یہ بات بعید از قیاس نہ تھی کہ مہدی سوڈانی کے مجاہدین فتح کے پرچم لہراتے ہوئے پورے ملک پر قبضہ کر لیتے اور یوں نیل کے ساحل پر آباد ہزاروں عرب مہدی[؟] کے جھنڈے تلے جمع ہو جاتے اور نیل کا پورا ساحل اس کے زیر اثر آ جاتا۔ اس صورت میں مصر اور سوڈان کا وسیع رقبہ اپنی جغرافیائی اہمیت کے اعتبار سے برطانوی استعمار کے ناپاک عزائم کی راہ میں ایک زبردست رکاوٹ بن جاتا۔

کون کہہ سکتا ہے کہ اس صورت حال میں مستقبل کا نقشہ کیا ہوتا۔ تاریخ بڑی بے رحم واقع ہوئی ہے۔ اس میں "کا ش" اور "اگر" کی گنجائش بہت کم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مصر اور سوڈان کے تاریخی تعلقات اور جغرافیائی اعتبار سے ان کا ایک ہونا اور ان کا افریقہ اور مشرق وسطیٰ میں انتہائی اہم جگہ پر واقع ہونا۔ یہ سب عوامل کسی بھی ایسی قوت کے لئے جو اسلام کے احیاء کیلئے کام کر رہی ہو، بے حد اہمیت رکھتے تھے۔ اسی اعتبار سے یہ صورتِ حال ایک غیر مسلم استعمار کے لئے خطرے کی علامت کی حیثیت رکھتی تھی، چنانچہ یہی وجہ تھی کہ بے شمار جانی اور مالی نقصانات برداشت کرنے کے باوجود برطانیہ اس پر مُصر تھا کہ اس صورتِ حال سے حتیٰ الامکان بچا جائے۔

برطانوی حکمت عملی

سر ایولن بارنگ کا خیال یہ تھا کہ سوڈان کے بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ اب تمام تر توجہ اس بات کی طرف ہونی چاہیے کہ کسی طرح مصر کی اصل سرحدوں کی حفاظت کی جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی ہاتھ سے نکل جائیں۔ برطانوی دفترِ خارجہ نے یہ تجویز پیش کی کہ خدیو کی وزارت کو فوری طور پر اس بات کا فیصلہ کر لینا چاہیے کہ اسوان یا زیادہ سے زیادہ وادی حلفہ کے

جنوب میں تمام علاقے کو خالی کر دیا جائے۔ اس صورت میں برطانوی حکومت مصر میں امن وامان برقرار رکھنے، اس کی حفاظت کرنے اور بحر احمر کی بندرگاہوں کے دفاع میں مدد کرنے کے لئے تیار ہوگی۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ برطانوی حکومت کا اصل مقصد اپنے نقل وحمل کی شاہراہ بحر احمر کی حفاظت تھی۔ اسے اس سے غرض نہ تھی کہ سوڈان ہاتھ میں رہتا ہے یا جاتا ہے۔ سوڈان کے معاملات میں اس کی دلچسپی بھی محض اس وجہ سے تھی کہ کہیں ایک مستحکم اسلامی سلطنت مصر اور بحر احمر کے تحفظات کو خطرے میں نہ ڈال دے۔

مشرقی سوڈان کے حالات

مشرقی سوڈان کی صورتِ حال اس وقت یہ تھی کہ عثمان دقنہ "مہدی" کی جانب سے اس علاقے میں خلیفہ مقرر کر دیئے گئے تھے۔ وہ جولائی ۱۸۸۳ء میں سنکات کے گرد و نواح میں موجود تھے۔ آئندہ دو ماہ کے دوران میں انہیں توفیق بے کے ہاتھوں دو بار شکست اٹھانا پڑی۔ اور ان کے ساتھیوں کی بڑی تعداد ان معرکوں میں شہید ہوگئی تھی، تاہم ان دو واقعات کے بعد عثمان دقنہ نے دشمن کو پے در پے شکستیں دی تھیں۔ ان سے بڑی تعداد میں گولہ بارود اور اسلحہ چھینا تھا۔

مجاہدین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ ان کا اعتماد بڑھ چکا تھا۔ ۱۸۸۳ء کے آواخر میں توکر، سنکات اور سواکن مجاہدین کے گھیرے میں آچکے تھے۔ کوئی سرکاری افسر ان کی دفاعی حدود سے ایک قدم آگے نہیں اٹھا سکتا تھا۔ مقامی افراد مکمل طور پر مجاہدین کے ساتھ تھے اور فرنگی استعمار کے مہروں کو ہٹا دینے کے لئے

سرگرمِ عمل رہتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ خرطوم ابھی مہدی" کے قبضے میں نہیں آیا تھا اور برطانوی حکومت نے سواکن کی حفاظت کا تہیّہ کر رکھا تھا، لیکن مجاہدین کے لشکر کسی ایسی گھٹا کی طرح اُٹھے تھے جو برسنے کی منتظر ہو۔ سوڈان کے طول و عرض میں برطانوی اقتدار کے قدم اکھڑ چکے تھے۔ اب مصر کے خدیو کی حکومت کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ سوڈان میں پھیلی ہوئی چھاؤنیوں کے سپاہیوں کو کسی طرح محفوظ طریقے سے نکالا جا سکے۔ ان افواج کو کسی نہ کسی طرح خرطوم پہنچنے کی کوشش کرنا تھی اور اس کے بعد بربرا اور پھر سواکن کے راستے پس قدمی ممکن بنانا تھی۔ بظاہر چھاؤنیوں سے افواج کو بحفاظت نکالنا مصری حکومت کی ذمہ داری تھی اور سواکن سے بربرؔ کی شاہراہ کھولنا برطانوی حکومت کا کام، تاہم حقیقت یہ ہے کہ اس پالیسی پر عملدرآمد آسان نہ تھا۔

یکم جنوری ۱۸۸۴ء کو سر ای بارنگ نے یہ لکھا کہ مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ان حالات میں سوڈان کو خالی کرنے سے بہتر تجویز نہیں ہو سکتی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا آسان نہیں ہوگا۔ ہمیں شدید خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا!

اس سے اگلے روز مصر کے وزیر خارجہ شریف پاشا نے ایک نوٹ میں خدیو کی حکومت کی پالیسی ان الفاظ میں تحریر کی: "چونکہ انگلستان سے کسی قسم کی امداد ملنے کی توقع نہیں اور بیرونی امداد نہ ملنے کی صورت میں سوڈان کا ہاتھ سے نکل جانا یقینی ہے، لہٰذا مصری حکومت کی تجویز یہ ہے کہ:

۱۔ سلطان ترکی سے درخواست کی جائے کہ وہ ۱۰ ہزار سپاہی سواکن بھجوائے۔

۲۔ اگر وہ اس درخواست کو ماننے پر تیار نہ ہو، تو سلطان سے کہا جائے کہ مشرقی سوڈان اور بحرِ احمر کے ساحل کا اقتدار دوبارہ ترکی حکومت کے قبضے میں دیا جا رہا ہے۔ اس طرح سرحدیں مختصر ہو جائیں گی اور اس صورتِ حال میں

۳۔ مصر ۱۵ ہزار افواج مجتمع کرنے کے قابل ہو جائے گا۔ خدیو کی حکومت کے اندازے کے مطابق اس فوج سے خرطوم تک نیل کا دفاع کیا جا سکے گا اور اس طرح کامیابی سے مصر کا دفاع ہو سکے گا۔"

مصری کابینہ کا استعفا برطانوی حکومت نے پہلی دو تجاویز سے اتفاق کیا جب کہ تیسری تجویز کے بارے میں اس بات پر اصرار کیا کہ مصری حکومت کو صرف دفاع پر اکتفا کرنا چاہیئے اور ہر قیمت پر سوڈان خالی کرنے کی تیاری کرنا چاہیئے۔ برطانوی حکومت کے اس رویے کی وجہ سے مصری کابینہ مستعفی ہو گئی اور نبار پاشا کی سرکردگی میں ایک اور کابینہ بنائی گئی جو برطانوی حکومت کی اس پالیسی پر حرف بحرف عمل کرنے کے لئے تیار تھی۔

جنرل گارڈن کا تقرر اس سے پہلے ارل گرینول نے سرای بارنگ سے پوچھا تھا کہ کیا اس صورتِ حال میں جنرل چارلس گارڈن کو بھیجنا مفید ہو سکے گا؟ بارنگ نے کہا تھا کہ چونکہ سوڈان کی تحریک دینی نوعیت کی ہے اس لئے ایک عیسائی جنرل کے تقرر سے صورتِ حال مزید بگڑ جائے گی۔ ۱۰ جنوری کو دوبارہ یہی تجویز پیش کی گئی جس پر بارنگ نے دوبارہ یہی جواب دیا۔ اس کے باوجود افواہ تھی کہ گارڈن کا تقرر کیا جا رہا ہے۔ ۱۸ جنوری کو برطانوی وزارتِ خارجہ کی طرف سے تحریری احکامات آگئے کہ گارڈن سوڈان پہنچے! اسے حکم دیا گیا،

"برطانوی حکومت چاہتی ہے کہ آپ فوراً مصر پہنچ کر سوڈان کی فوجی صورتحال کا جائزہ پیش کریں اور وہ اقدامات تجویز کریں جو مصری چھاؤنیوں اور خرطوم میں یورپین آبادی کے انخلاء کے لئے ضروری ہیں۔ مرکزی سوڈان سے انخلاء پر کس طرح عمل درآمد کیا جاسکتا ہے اور مصری حکومت ساحل پر واقع بندرگاہوں کا دفاع اور انتظام کس طرح برقرار رکھ سکتی ہے؟

آپ کو برطانوی ایجنٹ اور قاہرہ کے قونصل جنرل کے احکامات کے تحت کام کرنا ہوگا اور تمام رپورٹیں سربمہر کرکے اس کے ذریعے بھیجنا ہونگی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ تمام فرائض بھی انجام دینے ہوں گے جو مصری حکومت تفویض کرے اور جو سرای بارنگ کے ذریعے ملیں۔ کرنل سٹورٹ تمام کاموں میں مدد کے لئے متعین کئے گئے ہیں۔

مصر پہنچنے پر فوری طور پر سرای بارنگ سے رابطہ قائم کیا جائے جو ملاقات کا انتظام خود کریں گے اور یہ طے کریں گے کہ آیا فوری طور پر براہِ راست سواکن جانا مناسب ہوگا یا خود نیل کے راستے خرطوم جانا مناسب ہوگا یا کرنل سٹورٹ کو پہلے بھیجا جائے!"

جنرل گارڈن کو سوڈان میں صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا گیا تھا، لیکن انگریزوں کے نقطہ نظر سے صورتِ حال اس قدر بگڑ چکی تھی کہ اس کا مداوا ممکن نہ تھا۔

جنرل گارڈن قاہرہ سے ۲۶ جنوری کو سوڈان کے لئے چل پڑا اور ایک سال بعد اِسی دن وہ مجاہدین کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس دور کی سب سے بڑی

طاقت برطانیہ کا یہ سپوت اپنی تمام تر سپاہ اور جاہ وحشم کے باوجود ان درویش صفت مجاہدوں کے ہاتھوں ختم ہوا جن کا اسلحہ ان کے ایمان کی قوت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ جن کے پاس نہ تو بھاری مشین گنیں تھیں اور نہ توپیں۔ جن کا تمام تر سرمایہ خدائے بزرگ و برتر کی ذات پر بے پناہ ایمان تھا اور جنہیں اس کی راہ میں بڑی سے بڑی قربانی دینے سے دریغ نہیں تھا۔ اسلام کے ان سرفروشوں نے انیسویں صدی کے اواخر میں قرونِ اولیٰ کے مجاہدین کی یاد تازہ کر دی تھی۔ باطل کی تمام تر قوتیں ان کے مقابلے میں دم توڑ رہی تھیں۔

باب د۔

باب سوئم

نئے معرکے

سواکن کی مختصر تاریخ

سواکن کا تذکرہ اسلامی دور میں سب سے پہلے ہجرت کے ابتدائی سالوں میں ملتا ہے۔ جب چار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسلام کی اشاعت کے لئے یہاں تشریف لائے۔ انہوں نے سواکن میں مستقل رہائش اختیار کی اور ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر گردوپیش کے قبائل اسلام لے آئے۔ اس طرح سواکن کو یہ شرف حاصل ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں یہاں اسلام کی روشنی پھیل چکی تھی۔

مختلف ادوار میں مختلف عرب قبائل یہاں آکر آباد ہوتے رہے۔ ۸۸۳ھ میں عرب سے آرتیگا خاندان آکر آباد ہوا۔ اس کے بعد ۹۱۳ھ میں بنو امیہ سے تعلق رکھنے والے شاضالیب خاندان یہاں منتقل ہو گیا۔ ۱۲۰۸ھ میں یمن سے حسانب قبیلہ اور ۱۴۵۱ھ میں مکہ سے اشرف قبیلے کے افراد آکر بس گئے۔

سب سے پہلے الشطار میں آباد لبتاب خاندان کے لوگوں کا اقتدار قائم ہوا۔ اس کے بعد دوسایب خاندان انہیں ہٹا کر مقامی سرداری کے منصب پر فائز رہا۔ پندرہویں صدی کے اواخر میں فنگ خاندان نے ارتیگا کو میدانِ جنگ میں شکست دی۔ اور انہیں اپنے زیرِ اقتدار محدود اختیارات دے کر بحال کر دیا۔ یہ تمام قبائل اور

خاندان آرتیگا کے ساتھ شادی بیاہ کرتے رہے۔ آرتیگا اس علاقے کے معزز ترین افراد میں شمار ہوتے تھے۔ یہ حضر موت کے رہنے والے تھے اور محمد، حامد اور جمال الدین نامی تین بھائیوں کی اولاد کہلاتے تھے۔ اِن کے باپ کا نام باس سفار تھا۔ اٹھارویں صدی کے آخری برسوں میں دیار بکر سے علی دقنہ نامی ایک شخص سواکن میں وارد ہوا تھا۔ اس کا تعلق کرد نسل سے تھا اور اس کا بھائی حکومتِ ترکی میں کسی اہم عہدے پر فائز تھا۔ علی دقنہ نے سواکن ہی میں شادی کر لی اور مستقل طور پر یہیں آباد ہو گیا۔ عثمان دقنہ علی دقنہ ہی کے اخلاف میں سے تھے۔

سواکن کا دفاع

برطانیہ کے لئے سواکن کا دفاع کرنا انتہائی دشوار ہو رہا تھا۔ سر ایولن وڈ مصری فوج کو استعمال کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ یہ فوج حال ہی میں "تنظیم نو" کے مرحلے سے گزری تھی۔ برطانوی فوج کے افسروں کو مصر میں استعمال نہ کیا جا سکتا تھا۔ بالآخر یہ فیصلہ کیا گیا کہ مصری پولیس کو بروئے کار لایا جائے، چنانچہ جنرل سر ویلنٹائن، بیکر پاشا کو اس مصری پولیس کی کمان دی گئی۔ اسے کسی حد تک فوجی تربیت بھی دی گئی تھی۔ ابتداء میں یہ ارادہ تھا کہ دو ڈویژن ترتیب دیئے جائیں جن میں سے ایک کی کمان کرنل سارٹوریس پاشا اور دوسرے کی کمان زبیر پاشا کے سپرد کی جائے۔ زبیر پاشا کو اس بات اختیار بھی دیا گیا تھا کہ اگر کوئی سوڈانی اس کے تحت کام کرنا چاہے، تو اُسے بھرتی کر لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت کے حالات میں ایسا ہونا ممکن نہ تھا۔

عثمان دقنہ کے نام خط

زبیر نے عثمان دقنہ کو ایک خط کے ذریعے ہتھیار ڈالنے کو کہا۔ اس کا متن یہ ہے۔

۶ صفر ۱۳۰۱ھ (۶ دسمبر ۱۸۸۳ء)

آپ پر اللہ تعالےٰ کی ہزار ہا رحمتیں ہوں۔ ذہیر پاشا العباسی کا قاہرہ سے شیخ عثمان علی دقنہ "امیر عرب سواکن" کے لئے ہدیۂ سلام۔ اللہ تعالےٰ آپ پر اپنی سلامتی اور برکتیں نازل کرے۔ ان تمام تسلیمات کے بعد جو میں آپ کے لئے اور آپ کے علاقے کے تمام شیوخ کے لئے بھیج رہا ہوں، آپ کی خدمتِ عالیہ میں یہ اطلاع پہنچانا چاہتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت خدیو مصر نے ۲۸ محرم ۱۳۰۱ھ کے ایک حکم نامے کے ذریعے مجھے مصری فوج کا کماندارِ اعلیٰ مقرر کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے، کہ میں سوڈان جاؤں اور وہاں امن وامان بحال کروں، ساتھ ہی وہاں کی بغاوت کو فرو کروں۔ مجھے اس بات کا علم ہے کہ آپ اس تمام علاقے کے شیوخ میں سب سے زیادہ پڑھے لکھے اور ذی علم ہیں آپ کو قرآن پاک اور احادیث کا بھی گہرا علم ہے اور آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ خروج کا انجام کیا ہونا چاہیئے!

آپ کا تعلق سادات سے ہے۔ کیا وجہ ہے کہ آپ پھر بھی اپنے مذہب اور قرآن کے خلاف جہاد کرنے پر مصر ہیں۔ خدیو نے یہ جانتے ہوئے کہ آپ نے سچائی اور حقیقت کی راہ چھوڑ کر گمراہی اختیار کی ہے۔ اُس نے اس بات کا تہیہ کر لیا ہے کہ آپ کو صحیح راستے پر لایا جائے۔ ملک کا امن وامان بحال کیا جائے اور مسلمانوں کو تباہ ہونے سے بچایا جائے۔ میں آپ کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ آپ حکومت کے احکامات کی اطاعت کریں اور ہمارا ساتھ دیں تاکہ آپ کا شمار مسلمانوں کے خیر خواہوں میں ہو۔ اگر ایسا نہ کیا گیا، تو آپ کو ہمارے خلاف جنگ کرنا ہوگی جس کی تمام تر ذمہ داری آپ پر ہوگی۔ اللہ تعالےٰ آپ کا ساتھ نہیں دے گا اور آپ حکومت کے

رحم وکرم پر ہوں گے۔ اس جنگ میں ہلاک ہونے والے مسلمانوں کا خون آپ کی گردن پر ہوگا۔ میں اعلیٰ حضرت خدیوِ مصر کا وفادار ملازم زبیر پاشا عنقریب سوڈان پہنچ رہا ہوں؛ تاہم وہاں آنے سے پہلے آگاہ کرنے کے لئے یہ خط بھیجنا ضروری تھا۔ میں نصیحت کر رہا ہوں کہ آپ اللہ اور اس کے رسولؐ کے راستے پر چلیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس خط سے صورتِ حال واضح ہو چکی ہوگی اور آپ اپنے بھلے برے میں امتیاز کر سکیں گے

فقط

زبیر پاشا العباسی

ظاہر ہے کہ اس نوعیت کے خطوط عثمان دقنہ پر اثر انداز نہ ہو سکتے تھے مصری حکومت اس وقت انگریزوں کے اشارے پر ناچ رہی تھی۔ عثمان دقنہ باطل کی ان قوتوں کی دھمکیوں اور ترغیب و تحریص سے کسی طرح متاثر نہ ہو سکتے تھے۔ اس خط میں ان کی خوشامد کی گئی تھی اور اللہ اور رسولؐ کا نام لے کر انہیں جہاد سے منہ موڑ لینے اور باطل طاقتوں کے سامنے سر جھکا دینے کی تلقین کی گئی تھی۔ یہ پہلا موقع نہ تھا کہ خدا اور رسولؐ کے نام پر جہاد جیسے اسلامی فریضے سے روکنے اور باطل کے سامنے سربسجود ہونے کی تلقین کی گئی تھی۔ اسی دور میں ہندوستان میں ایسے نام نہاد پیغمبر جنم لے چکے تھے جو انگریزوں کی اطاعت کو عین اسلام قرار دینے پر مصر تھے۔ اور جنہیں انگریزوں کو اولوالامر تک قرار دینے میں باک نہ تھا۔ جو نماز کے بعد ان کی درازیٔ عمر کی دعائیں مانگتے تھے اور جہاد کے فرض کو منسوخ قرار دے چکے تھے۔ اپنے نفس کی اطاعت کرنے والوں کو انگریزوں کی اطاعت کے سوا کوئی راہِ نجات نظر نہ آ رہی تھی۔ وہ اپنے ساتھ پوری قوم کو گمراہی اور ضلالت کے گڑھوں میں

دھکیلنا چاہتے تھے۔

سواکن پر حملے کی تیاری

جنرل بیکر قاہرہ رہ کر افواج اور سامان رسد کی نگرانی کر رہا تھا، جب کہ کرنل سارٹوریس کو سواکن بھیجا جا رہا تھا۔ اسے ۲۵۰۰ مصری سپاہ کی کمان دے کر فوری طور پر سواکن بھیجا جانا تھا۔

۲۶ نومبر کو خدیو مصر کے سامنے ان افواج کی معائنہ پریڈ ہوئی۔ افسروں اور جوانوں نے سوڈان میں فوجی کارروائی میں حصہ لینے سے صاف انکار کر دیا۔ اور کہا ہم نے صرف شہری ذمہ داریوں کے لئے ملازمت اختیار کی ہے۔ بالآخر ۵۰۰ پیادہ سپاہی اور ۲۰۰ گھوڑ سوار پولیس کو سواکن جانے پر بمشکل آمادہ کر لیا جا سکا۔

اس دستے کو ۲۸ نومبر صبح سویرے روانہ ہونا تھا، لیکن ان میں سے کافی تعداد سٹیمر کے چلنے سے پہلے ہی فرار ہو چکی تھی۔ کانسٹیبلری کو اس بات پر سخت غصہ تھا کہ انہیں فوجی کارروائیوں میں دھکیلا جا رہا ہے۔ جب کہ باقاعدہ سپاہ مصر میں موجود ہے، لیکن جنرل بیکر جسے کچھ دنوں بعد سواکن جانا تھا، ان سپاہیوں کے مشتعل جذبات کو ٹھنڈا کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو گیا۔ ۶۰۰ مزید سپاہی ۳ دسمبر کو روانہ ہو گئے۔

مہدی افواج کی کامیابیوں اور ان کے بے جگری سے لڑنے کے واقعات پورے مصر میں مشہور تھے اور مصر سے سواکن جانے والے ہر سپاہی کو موت پکارتی نظر آتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کوئی سپاہی اپنی مرضی سے موت کے منہ میں جانے کے لئے تیار نہ تھا۔ قریب قریب سبھی خوف زدہ تھے۔

برطانوی فوج کی حالتِ زار

سارٹوریس پاشا نے ۸ دسمبر کو سواکن پہنچتے ہی

حامی عناصر کے ذریعے سنکات سامان رسد پہنچانے کی کوشش کی، لیکن یہ تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ سنکات کے قلعے کی حالت انتہائی خراب تھی۔
دوسری جانب مجاہدین کا رعب اور دبدبہ اس قدر زیادہ تھا کہ مصر سے آئی ہوئی افواج مقابلے پر کسی قیمت پر آنے کے لئے تیار نہ تھیں۔ کسی بھی سرحدی چوکی پر پہرہ سے انکار کر دینا روزمرہ کا معمول بن چکا تھا۔ اگر کہیں ان کے کان میں یہ بھنک پڑ جاتی کہ مجاہدین بڑھ رہے ہیں، تو وہ گردو درگرد بستی کے گھروں میں پناہ لیتے۔

اس وقت ساحل سواکن پر لنگر انداز تین برطانوی جنگی جہاز ہی دفاع کا کام دے سکتے تھے۔ جہاں تک فوج کا تعلق تھا۔ اس کی حالت بیان کی جا چکی ہے۔
سواکن کے چاروں طرف چار فٹ گہری اور تین فٹ چوڑی خندق تھی۔ کچھ قلعے ایسے بھی تھے جہاں سے دفاع کا بہتر انتظام تھا، لیکن وہ سواکن سے فاصلے پر تھے۔ ان کے گرد خاردار کانٹوں کی باڑ کے سلسلے تھے۔

بحری قوت

۱۶ دسمبر کو "یوریلیس" نامی جنگی جہاز دفاعی استحکامات کو مضبوط بنانے کے لئے سواکن پہنچا۔ اس کی کمان ایڈمرل ہیوٹ کر رہا تھا۔ سات روز بعد جنرل بیکر سواکن پہنچا۔ کرسمس کے موقع پر بیکر پاشا کی فوج کی معائنہ پریڈ ہوئی جس میں ۱۳۰۰ سیاہ، ۴۰۰ مصری پیادہ، ۴۰۰ ترک اور باشی بزوک، ۴۰۰ سوار، ۲۰۰ سوار سیاہ، ۹۰ سوار باشی بزوک، ۲۰۰ مصری توپچی اور ۴۷ یورپی پولیس کے افراد نے حصہ لیا۔
اب "سفنکس" نامی ایک اور جنگی جہاز سواکن کے ساحل پر لنگر انداز ہو گیا۔

اس اثناء میں برطانوی حکومت کی زیادہ سے زیادہ کوشش یہ تھی کہ عثمان دقنہؒ کی افواج سے مڈبھیڑ نہ ہو۔ ۲۷ دسمبر کی رات کو عثمان دقنہؒ نے سواکن کے گرد و نواح میں صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لئے فوج کا کچھ دستہ بھیجا۔ اس رات لڑائی نہ ہوئی۔ اس اثناء میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا کہ برطانوی حکومت نے میدانِ جنگ میں مقابلے کی صورت میں شکست کے امکانات کی روشنی میں ایک اور حربہ آزمانے کی ٹھانی۔ اس نے مرغانی خاندان کے مذہبی رہنما محمد سر الختم کو عثمان دقنہؒ کے مقابلے میں بھیجا کہ وہ کسی طرح مقامی آبادی کو عثمان دقنہؒ سے بدظن کر دے۔ یہ ہتھکنڈا برطانوی حکومت نے کئی جگہ آزمایا تھا۔ ہندوستان میں مذہبی تفرقوں سے فائدہ اٹھایا گیا اور ساتھ ہی انہیں جس طرح ہوا دی گئی اس کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ ان سب کارروائیوں کا محور صرف ایک ہی بات تھی اور وہ یہ کہ کسی طرح جہاد کے اعلیٰ مقاصد کو آنکھوں سے اوجھل کر دیا جائے اور مسلمان فقہی بحثوں میں اُلجھ کر رہ جائیں۔

علامہ اقبالؒ نے اس تمام صورتِ حال کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے: آپ نے ابلیس کی مجلسِ شوریٰ میں ابلیس کی زبانی اپنے مشیروں کے نام پیغام میں یوں کہلوایا ہے کہ: ؎

ہے یہی بہتر الٰہیات میں اُلجھا رہے
یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں اُلجھا رہے

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسمِ شش جہات
ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات

ابنِ مریم مر گیا یا زندۂ جاوید ہے؟
ہیں صفاتِ ذاتِ حق، حق سے جدا یا عینِ ذات

آنے والے سے مسیحِ ناصری مقصود ہے
یا مجدد، جس میں ہوں فرزندِ مریم کے صفات

ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم — اُمتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات؟
کیا مسلماں کے لیے کافی نہیں اس دور میں — یہ الٰہیات کے ترشے ہوئے لات و منات؟
تم اسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے — تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مُہرے ہوں مات
خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام — چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات
ہے وہی شعر و تصوّف اس کے حق میں خوب تر — جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
ہر نفس ڈرتا ہوں اس اُمت کی بیداری سے میں — ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات

مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

سرکاری علماء کی کوششیں

جس طرح ہندوستان میں ان علماء کو جنہوں نے جہاد کی مخالفت کی بڑے سے بڑے مناصب اور اعزاز دیئے گئے اور انہیں مسلمان معاشرے کے رہنماؤں کی حیثیت سے پیش کیا گیا اسی طرح محمد سرالختم کو بھی سوائے سرکاری، درباری حلقوں نے سر آنکھوں پہ بٹھایا۔
اسے انیس توپوں کی سلامی دی گئی۔ اس کے جلوس کے آگے آگے فوجی بینڈ بجایا گیا۔ سڑکوں کے دونوں طرف سپاہی کھڑے کیے گئے اور لوگوں نے تالیاں بجا بجا کر اس کا استقبال کیا۔ اس قسم کے استقبال اور جلوس کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں میں اس کے لیے عزت و احترام کے جذبات پیدا کیے جائیں۔
عثمان دقنہؒ کو انگریزوں کے اشارے پر خط لکھا گیا جس میں یہ کہا گیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو حکومت کے حوالے کر دیں۔ عثمان دقنہؒ نے یہ جواب دیا کہ انہیں

اپنے مقصد کی صداقت کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں اور یہ کہ اگر وہ چاہیں، تو ان کے یہاں آ کر گفت گو کر سکتے ہیں۔

محمد سر الختم وہاں جانے سے گریز کرتا رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ اُسے وہاں جانے کی جرأت ہی نہ ہو سکتی تھی۔

انگریزوں کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ محمد سر الختم جیسے تنبولوائے کا وقت ختم ہو چکا ہے اور یہ کہ اب انہیں عثمان دقنہ کی افواج کی یلغار کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جنرل بیکر یہ چاہتا تھا کہ وہ بڑھ کر ان مجاہدین پر حملہ کر دے۔ اس نے توکر پر حملہ کرنے ٹھانی۔ اس کا خیال تھا کہ توکر پر حملے کی اطلاع پا کر سنکات کا محاصرہ کرنے والی افواج کا کچھ حصّہ توکر کی طرف روانہ ہو جائے گا اور اس طرح توفیق کو لڑ بھڑ کر نکل آنے کا موقع مل جائے گا۔

سنکات میں توفیق کی حالت خاصی دگرگوں ہو چکی تھی۔ اس کا گولہ بارود اور خوراک کا ذخیرہ ختم ہونے کو تھا اور اگر صورتِ حال جوں کی توں رہتی تو شکست سے بچنے کا امکان بہت کم رہ گیا تھا۔

جنرل بیکر کو فوجی اور سول اختیارات دے کر بھیجا گیا تھا، لیکن اسے صرف دفاعی اقدامات کرنے کی ہدایت تھیں۔ اس کی افواج کی تعداد یہ تھی ۔۔۲۰۰۰ پیادہ سپاہ (بشمول ۱۰۰ ترک) ۵۲۰ سوار (بشمول ۸۰ ترک) اور یورپی پولیس کے ۱۰۰ رضا کار۔ اس کے علاوہ مساوا اور سنہیٹ سے بھی کچھ سپاہ آن ملی تھی اور ساتھ ہی زبیر کی حبشی سپاہ کے ۷۰۰ افراد بھی شامل ہو گئے تھے۔

جنرل بیکر کی شرمناک شکست

جنرل بیکر ۱۸ جنوری کو ٹوکر کو بچانے کے

لے ترنکیٹاٹ کے راستے روانہ ہوگیا۔ اس اثنا میں مجاہدین نے زبیر کے بھیجے ہوئے ایک ایلچی کو یہ پیغام دے کر واپس کر دیا کہ مہدی کا نائب کسی صورت ہتھیار ڈالنے پر تیار نہیں۔ ترنکیٹاٹ پہنچ کر ۴ فروری تک مزید مذاکرات کی بے سود کوشش کی گئی، لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ جنرل بیکر ۳۷۵۶ سپاہیوں اور ۴ توپوں سمیت ٹوکر جانے کے لئے روانہ ہو گیا۔ وہ ابھی پانچ چھ میل دُور ہی پہنچا ہو گا کہ مجاہدین کا لشکر نظر آیا۔ جنرل بیکر کی فوج نے فوراً ہی فائر کھول دیا۔ ترک سواروں نے بھی مجاہدین کے لشکر پر فوراً حملہ کر دیا، لیکن یہ عجلت اسے بہت مہنگی پڑی، وہ اپنے لشکر کی ترتیب باقی نہ رکھ سکا۔ وہ ابھی اپنی فوج کا حصار پوری طرح نہ بنا پایا تھا کہ گھوڑسواروں نے بھی اس میں گھسنے کی کوشش شروع کر دی، حتّٰی کہ سواری کے اونٹ اور رسد کا قافلہ بھی محفوظ جگہ میں پہنچنے کی جدّوجہد میں مشغول ہو گیا۔ اب بھگدڑ مچ گئی۔ سپاہیوں کا خاصا بڑا حصّہ میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اس تمام ہنگامہ کارزار میں صرف حبشی سپاہ جم کر مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھی اور یوں بیکر کی سپاہ کی صورتِ حال خاصی نازک ہو چکی تھی۔

دوسری طرف مجاہدین کی یلغار شروع ہو چکی تھی۔ ان کے نیزوں کی انیوں کے سامنے بیکر کی بندوقیں قطعی ناکارہ ثابت ہو رہی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مجاہدین کے آتے ہی اس فوج کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ انہیں موت سر پر کھڑی نظر آ رہی تھی۔

مجاہدین نے پانچ میل تک اس بزدل فوج کا پیچھا کیا۔ ہر طرف لاشوں کے انبار لگ گئے۔

بیکر پاشا اور انگریز سپاہیوں کا جو حصہ جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ واپس ٹرنکیٹاٹ پہنچا اور وہاں سے جہاز پر بیٹھ کر سواکن چلا گیا۔ تاریخ میں شاید ہی اس قسم کی شرمناک شکست اور بزدلی کے واقعات پیش آئے ہوں

انگریز سپاہ کا نقصان

مجاہدین کی کل تعداد کسی طرح ۱۲۰۰ سے زیادہ نہ تھی، زیادہ امکان یہی ہے کہ وہ صرف ایک ہزار تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنے سے تین گنا بڑی فوج کو شکستِ فاش دی تھی۔ ۹۶ افسر اور ۲۲۵۰ سپاہی ہلاک ہوئے، ۴ کروپ توپیں ۲ گیٹلنگ ۳۰۰۰ ریمنگٹن رائفلیں اور کاربائینیں اور پانچ لاکھ کے لگ بھگ کارتوس مجاہدین کے ہاتھ لگے جب کہ ان کا اپنا نقصان نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس لڑائی سے جہاں مجاہدین کے حوصلے بہت بلند ہو گئے وہاں دوسری طرف انگریزوں پر مجاہدین کی دہشت بیٹھ گئی۔

جس رات انگریزی فوج کے بچے کھچے سپاہی سواکن پہنچے، اسی رات ریئر ایڈمرل ہیوٹ نے جو اپنے جہاز یوریلس میں موجود تھا، رینجر اور ڈیکوئے جہاز کے سپاہیوں اور ۸۰ مشین گن چلانے والوں کو سواکن کی حفاظت کے لئے ان کے ساتھ کر دیا۔ اب جنرل بیکر اور ریئر ایڈمرل ہیوٹ دونوں نے سواکن کے دفاع کو مضبوط بنانے کیلئے منصوبہ بندی شروع کر دی۔ قلعہ بندیاں کی گئیں، خندقیں کھودی گئیں، وہ تمام عمارات جو فائر کرنے میں رکاوٹ بن رہی تھیں، گرا دی گئیں۔

بیکر پاشا کے پاس اس وقت ۳۵۰۰ کی تعداد میں سپاہ موجود تھی، ہر چند اس سپاہ کا تیسرا حصہ غیر مسلح تھا، لیکن اس نے اس سپاہ کو تین بٹالینوں میں تقسیم کر کے اپنی پوزیشن مضبوط بنانے کی جدّ و جہد شروع کر دی۔

۱۰ فروری کو ایڈمرل ہیوٹ نے سواکن کی کمان سنبھال لی اور اس جگہ کے گھیرلئے جانے کا اعلان کر دیا، لیکن دو دن بعد ہی یہ اطلاع موصول ہوئی کہ سنکات نے ہتھیار ڈال دیئے۔

سنکات کے محاصرے کے دوران میں محاصرین نے بڑی ہمّت اور جرأت کا ثبوت دیا۔ انہوں نے بڑی سخت ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ محصورین کی حالت اس حد تک دگرگوں ہو چکی تھی کہ وہ چیلیں، کتّے اور گدھے تک کھانے پر مجبور ہو گئے تھے گھاس کے پتّے اور جڑیں تک کھا چکے تھے۔ جب خوراک حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا اور قریب تھا کہ وہ بھوک کی شدّت سے ہلاک ہو جائیں۔ ان حالات کا اندازہ کر کے توفیق بے نے اپنی توپیں کوئیں میں ڈلوا دیں۔ اسی طرح وہ ہر چیز جو مجاہدین کے کام آسکتی تھیں، ضائع کروا دی گئی۔ اب توفیق بے سات سو افراد کے ساتھ محاصرہ توڑ کر باہر نکلا اور بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ اس کے اکثر ساتھی بھی اس کے ساتھ ہی ختم ہو گئے

عثمان دقنہؒ نے مہدی سوڈانیؒ کے نام ایک خط میں توفیق بے کی شجاعت اور مردانگی کی تعریف کی۔

برطانوی کمک

گذشتہ چھ ماہ کی لڑائی کے دوران میں توفیق بے کی زیرِ کمان سنکات کا دفاع واحد واقعہ تھا جس میں مجاہدین کے مقابلے میں کسی قسم کی جرأت کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔ سنکاٹ کے ہتھیار ڈالنے پر وزیر اعظم برطانیہ کی زیرِ صدارت ایک اعلےٰ سطح کی ہنگامی کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں صورتِ حال کا جائزہ لیا گیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ بڑی تعداد میں برطانوی سپاہ

کو بحرِ احمر بھجوا دیا جائے اور کوشش کی جائے کہ ٹوکر کی چھاؤنی کا محاصرہ ٹوٹ جائے۔ ساتھ ہی ساتھ سواکن میں بھی مزید سپاہ بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا، چنانچہ ۵۰۰ سپاہی جن میں سے کچھ چین اور مشرقی ہندوستان سے لائے گئے تھے۔ سواکن کے دفاع کے لیے مخصوص کر دیئے گئے۔

سواکن کے دفاع کے ان انتظامات سے مقامی آبادی جو اب تک عثمان دقنہ کے ساتھ وابستہ تھی، متزلزل ہونے لگی۔ لوگوں کو یہ گمان ہونے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو مجاہدین ناکام اور انگریز فتح یاب ہو جائیں۔ کسی بھی معاشرے میں ایسے لوگوں کی اچھی خاصی تعداد ہوتی ہے جو آخر وقت تک یہ دیکھتے رہتے ہیں کہ کون جیت رہا ہے۔ فاتحین کو کبھی بھی اپنے لشکر کے پیچھے پیچھے چلنے والوں کی تعداد میں کمی کی شکایت نہیں ہوئی۔ اکثریت ہمیشہ جیتنے والے گروہ کے ساتھ ہوا کرتی ہے؛ چنانچہ اب مقامی آبادی فریقین کی قوت کا اندازہ لگا کر کسی بھی وقت جیتنے والے کا ساتھ دینے کے لیے تیار تھی۔

انگریزوں کو تازہ کمک پہنچانے کا دہرا فائدہ ہوا۔ ایک طرف بیرونی استحکامات مضبوط ہو گئے اور دوسری طرف مقامی آبادی کی ہمدردیاں بھی ان کے ساتھ ہو گئیں۔

ٹوکر کا حدودِ اربعہ

ٹوکر کی حیثیت ایک اہم شہر کی تھی۔ یہ سواکن سے پچپن میل جنوب کی طرف واقع تھا۔ دریائے خور جو اریٹریا کی سطح مرتفع سے نکل کر تیز رفتاری سے بہتا ہوا تنگ چٹانوں کے درمیان گزرتا ہے ان چٹانوں سے نکل کر دریا نسبتاً وسیع علاقے میں پھیل جاتا ہے اور چھوٹے چھوٹے نالوں اور ندیوں کی صورت میں تقسیم ہو کر میدان کو سیراب کرتا ہے یہاں اس

دریا سے تقریباً بیس میل چوڑا ڈیلٹا بن گیا ہے جو انتہائی زرخیز ہے اور جہاں بے حد عمدہ قسم کی روئی پیدا ہوتی ہے۔

انیسویں صدی کے اواخر میں یہاں گندم پیدا کی جاتی تھی اور بحرِ احمر کے ساحل پر یہ واحد علاقہ تھا جہاں ہر سال بہت اچھی فصل پیدا ہوتی تھی۔ دوسرے مقامات پر بارش اس قدر کم اور غیر یقینی تھی کہ دوسرے یا تیسرے سال فصل پیدا ہو سکتی تھی یہاں پانی کی فراہمی کا مسئلہ ہی نہ تھا، کیوں کہ پانی سطحِ زمین سے دُور نہ تھا۔ فوجی نقطۂ نظر سے یہ جگہ اہم تھی۔ سواکن کے گرد و نواح میں یہ واحد مقام تھا جہاں کسی بڑی فوج کو جمع کیا جا سکتا تھا۔ اسی طرح سواکن پر حملہ آور ہونے کے لئے یہ سب سے اچھی جگہ تھی۔

سواکن اور ٹوکر کے درمیان ایک میدان پڑتا تھا جو اونٹوں کے ذریعے سامانِ رسد لانے کے لئے موزوں تھا۔ علاوہ ازیں سواکن کے باہر اگر فوج کو شکست کا سامنا کرنا پڑتا تھا تو بھی وہ ٹوکر تک بلا تردّد پسپائی اختیار کر سکتی تھی؛ تاہم ایک دِقّت بھی تھی اور وہ یہ کہ ٹوکر سے سواکن تک کے راستے میں پانی کمیاب تھا۔ اونٹوں کے ذریعے پانی کی رسد رسانی کے وسیع و عریض نظام کے بغیر کوئی بڑی فوج اس راستے پر نہ جا سکتی تھی۔ ٹوکر پر حملہ آور ہونے کا ایک ہی راستہ تھا اور وہ یہ تھا کہ سمندر کی طرف سے ترنکیتاٹ کے ذریعے حملہ کیا جائے اور مجاہدین کو پہلے سے اس حملے کی خبر نہ ملنا غیر ممکن تھا؛ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ کوئی بڑی فوج ٹوکر پر حملہ آور نہ ہو سکتی تھی۔ عثمان دقنہ اس صورتِ حال سے اچھی طرح باخبر تھے اور اس بات کی اہمیت ان پر عیاں تھی۔

برطانوی رائے عامہ کا دباؤ اس بات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ برطانوی حکومت کس حد تک مجبور ہو چکی تھی۔ اس کی دو بڑی افواج شکست کھا چکی تھی، برطانیہ میں رائے عامہ یہ ماننے کے لئے ہرگز تیار نہ تھی کہ وہ سلطنت جس کی حدود آبنائے ملاکا سے جبرالٹر تک پھیلی ہوئی ہیں چند نہتّے "نیم وحشی قبائل" کے ہاتھوں شکست کھا جائے۔ اس لئے اب یہ سمجھا جا رہا تھا کہ جنرل گارڈن کی کمان سنبھالنے سے صورتِ حال بہتر ہو جائے گی۔ طے یہ ہوا تھا کہ سواکن میں برطانوی اور ہندوستانی افواج قلعہ بند ہوں اور دوسری طرف خرطوم کی اس وقت تک حفاظت کی جائے جب تک کہ سوڈان بھر سے افواج اکٹھی ہو کر یہاں نہ پہنچ جائیں۔ جہاں تک سواکن کا تعلق تھا یہ طے کیا گیا تھا کہ عثمان دقنہ کے خلاف دفاعی کارروائیاں کی جائیں، بڑے پیمانے پر کوئی جنگ مول نہ لی جائے اور حتی الامکان جنگ سے بچنے کی کوشش کی جائے۔

ٹوکر کی چھاؤنی کے ہتھیار ڈالنے کی اطلاع آنے پر بھی یہی پالیسی بدستور قائم رکھی گئی کہ عثمان دقنہ کی افواج سے مقابلے کی کوئی کوشش نہ کی جائے مبادا ایک بار اسے برطانوی افواج کو شکست کا سامنا کرنا پڑے اور اس کی مزید سبکی ہو۔

بارنگ کا پیغام سر ای بارنگ نے ۲۳ فروری ۱۸۸۴ء کو ارل گرینول کو بذریعہ تار ایک پیغام بھیجا جس کی طرف جس میں گارڈن کی طرف سے ٹوکر کے ہتھیار ڈالنے کی خبر درج تھی۔ اس نے تجویز پیش کی تھی کہ میرا خیال ہے اگر ٹوکر نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں، تو برطانوی حکومت کے لئے خاموش

رہنا بہتر ہوگا۔ اس وقت کسی قسم کے اقدام سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ حالات خود ہی کوئی راستہ نکالیں گے۔

سرای بارنگ کی یہ تجویز من دعن قبول کرلی گئی۔ صرف یہ کہا گیا کہ اگر ٹوکر نے ابھی مزاحمت جاری رکھی ہو، تو اس کی مدد کی جائے۔ بصورتِ دیگر عثمان دقنہ کا پیچھا کرنے کی قطعی ضرورت نہیں

لیفٹیننٹ جنرل سٹیفنسن نے میجر جنرل گراہم کو ہدایات جاری کرتے وقت یہ کہا کہ اگر سواکن سے پیش قدمی کرنے سے پہلے یہ پتہ چل جائے کہ ٹوکر نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں، تو پیش قدمی روک دی جائے اور مزید احکامات کے لئے بذریعہ تار اطلاع دی جائے۔ ترنکیٹاٹ میں بھی یہی اقدام مناسب خیال کیا گیا

۲۸ فروری تک جنرل سرجی گراہم کمان میں ترنکیٹاٹ میں مندرجہ ذیل سپاہ پہنچ چکی تھی۔ وہ اس سے پہلے طل الکبیر میں دوسرے بریگیڈ کی کمان کر رہا تھا۔

۲۲۵۰ پیادہ سپاہی

۷۵۰ سوار "

۱۵۰ بحریہ بریگیڈ

۸۰ رائل انجنیئرز

۱۰۰ رائل توپ خانہ جس میں آٹھ توپیں اور ۶ مشین گنیں تھیں۔

برطانوی سپاہ کی فوجی برتری، توپ خانہ اور ساز و سامان کی فراوانی کا رعب داب قائم کرنے کا خاصا اہتمام کیا گیا۔ جنرل گراہم نے فوج کی روانگی سے پہلے دو برطانوی افسروں لیفٹیننٹ کرنل برنابی اور میجر ہارڈسے کو مندرجہ ذیل پیغام

دے کر بھیجا اور ہارورے نے پورے کالم سے دو میل آگے جاکر مجاہدین کی سپاہ کے سامنے ایک ڈنڈے پر یہ پیغام چسپاں کر دیا۔

"انگریزی سپاہ کے جنرل آفیسر کمانڈنگ کی طرف سے ٹوکر اور ترنکیٹات کے درمیان واقع قبائل کے شیوخ کے نام:

میں انگریزی حکومت کی جانب سے یہ آگاہ کر رہا ہوں کہ کل صبح سورج چڑھنے سے پہلے اپنے تمام لڑنے والے افراد کو منتشر کر دو ورنہ اس کے نتائج کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔ انگریزی سپاہ سے لڑنے کی بجائے اپنے نمائندے خرطوم بھجوا دو جو گارڈن پاشا سے سوڈان کے صوبوں کی آئندہ حیثیت کے بارے میں بات چیت کریں۔

انگریزی حکومت کی عربوں سے کوئی دشمنی نہیں، لیکن وہ سواکن اور اس کے گرد و نواح میں موجود مسلح افواج کو منتشر کرنے کا تہیہ کئے ہوئے ہے۔

اس خط کا جواب کل صبح سے پہلے اسی جگہ رکھ دیا جائے ورنہ تمام ذمہ داری شیوخ پر ہوگی!"

عثمان دقنہؒ کی افواج نے یہ پیغام اتار لیا، لیکن چونکہ اس کی جگہ کوئی جواب نہیں لگایا گیا تھا، اس لئے جنرل گراہم نے آگے بڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس وقت تک یہ اطلاع آچکی تھی کہ ٹوکر نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ اس بات کے باوجود کہ اس فوج کا اصل مقصد ٹوکر کی چھاؤنی کا محاصرہ اٹھوانا اور بصورتِ دیگر سواکن کی حفاظت کرنا تھا، گراہم نے یہ مناسب سمجھا کہ انگریزی سپاہ عثمان دقنہؒ سے دو دو ہاتھ کر لے۔ اس کا خیال تھا کہ جب تک عثمان آزاد ہیں، اس کے علاقے میں انگریزوں

کا اقتدار قائم نہیں ہو سکتا۔

ترنکیٹاٹ میں ایک بہت بڑی برطانوی سپاہ کی آمد اور عثمان دقنہ سے لڑائی کئے بغیر پسپائی کا ایک ہی مفہوم ہو سکتا تھا کہ برطانیہ جیسی طاقت مجاہدین کا مقابلہ کرنے سے عاجز آچکی ہے۔

عثمان دقنہ کی رپورٹ

اس جنگ کے بارے میں جو انگریزی سپاہ اور مجاہدین کے درمیان ہوئی، عثمان دقنہ نے اپنی رپورٹ میں لکھا:

"ٹوکر کے ہتھیار ڈالنے کے تین دن بعد پورے ساحل پر جہازوں کی آمد شروع ہو گئی۔ یہ افواہ گرم تھی کہ مصری حکومت حالات سے مجبور ہو کر براہ راست انگریزوں کی امداد حاصل کرنا چاہتی ہے۔ برطانوی سپاہ سے بھرے ہوئے سٹیمر ٹوکر پر دوبارہ قبضہ کرنے کی غرض سے آرہے تھے۔ یہ اطلاع ملنے پر میں نے اپنے بھتیجے میدانی کو جو قوی اور بہادر شخص ہے، ٹوکر کے انصار کی مدد کے لئے بھیج دیا۔

برطانوی سپاہ کی تعداد جیسا کہ مجھے بتایا گیا ۲۴ ہزار تھی۔ انصار اس وقت تک منتظر رہے جب تک کہ برطانوی سپاہ ساحل پر اتر نہیں گئی۔ انصار کا خیال تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو ان میں سے کچھ دوبارہ سٹیمروں میں بیٹھ کر بچ نکلیں ان کے ساحل پر اترنے کے بعد انصار ان پر ٹوٹ پڑے۔ اب ایک شدید جنگ ہوئی جو شام کے جھٹپٹے تک جاری رہی۔ اس جنگ میں انصار کا جانی نقصان خاصا تھا۔ اس لئے میں نے چند افراد کے علاوہ اپنی فوج کا اکثر حصّہ مدد کے لئے بھجوا دیا۔ اب فوج ماموریہ کے پاس پہنچ چکی تھی۔ میں نے

دو بہترین افراد کو کمان کرنے کے لئے بھجوایا۔ ان میں سے ایک کا نام حامد تھا جو میرے بھائی احمد دقنہ کا بیٹا ہے اور دوسرا ادریس تھا۔ میں نے ان دو امیروں کو یہ کہہ کر بھیجا کہ اگر انگریزی سپاہ کسی وقت بھی اور کسی جگہ بھی آگے بڑھے، تو اُس پر حملہ کیا جائے، لیکن انگریزی سپاہ پسپا ہو گئی۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں میں ہمارا رعب ڈال دیا اور وہ اگلی صبح واپس ہو گئے۔

انصار ماموریہ کو خالی دیکھ کر واپس آ گئے لیکن امیر خضر اپنے زیر کمان افراد کے ہاتھ ساحل کی نگرانی کے لئے وہیں مقیم رہے۔

اس جنگ میں انصار کے ۱۵۰۰ افراد شہید ہوئے جن میں ساحل کا امیر عبداللہ، امیر میدانی، امیر طاہر ابن الحج عمر، قمرالدین المجذوب شیخ طاہر کا چچا زاد بھائی بھی شامل ہیں موخرالذکر انتہائی بہادر اور صداقت شعار تھا۔ اللہ کے دشمنوں کے خلاف وہ انتہائی بے جگری سے لڑ رہا تھا۔

ہمارے شہیدوں میں امیر موسیٰ کلائی بھی تھے جو تنہا ایک ہزار افراد پر بھاری تھے، وہ کفار کے مقابلے میں تیغ براں تھے۔ اللہ تعالےٰ ان سب کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

ہمارے زخمیوں کی تعداد بھی شہیدوں جتنی تھی، جب کہ اللہ کے دشمنوں کے تین ہزار سے زیادہ افراد مارے گئے"۔

باب چہارم

سواکن اور بربر کی فتح

انگریز سپاہی سخت نقصان اٹھا کر پسپا ہو چکے تھے۔ اُن میں یہ دم خم باقی نہ تھا کہ ایک بار پھر میدانِ جنگ کا رُخ کرتے۔ اس لیے انہوں نے دوبارہ ترغیب و تحریص کے جال پھیلائے۔ مختلف ذرائع سے مختلف شیوخ کو خطوط لکھوائے گئے۔ خود عثمان دقنہ" کو کہا گیا کہ وہ ہتھیار ڈال دے، لیکن وہ ان چالوں سے اچھی طرح باخبر تھے اور دام میں آنے والے نہ تھے۔ انہوں نے ایڈمرل ہیوٹ کو ایک خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا:

" اللہ تعالےٰ کے نام سے جس کے لئے سب حمد و ثنا رہے۔ ان تمام قبائل اور شیوخ کی جانب سے جن کے نام آپ کے خطوط آئے اور جنہیں آپ نے خط نہیں لکھے، انگریزی سپاہ کے کمانڈر کے نام جسے اللہ تعالےٰ اسلام کے دائرے میں آنے کی سعادت نصیب کرے۔ آمین

آپ کے تمام خطوط موصول ہوئے جن میں یہ کہا گیا ہے کہ ہم حاضر ہوں۔ یہ بات جان لیجئے کہ اللہ تعالےٰ نے مہدی سوڈانی' موعود کو بھیج دیا ہے تاکہ اللہ کا دین سربلند ہو۔ جو لوگ اللہ تعالےٰ کو مانتے ہوں، وہ سرخرو ہوں اور جو اس کا انکار کرتے ہیں، انہیں ختم کر دیا جائے جیسا کہ پہلے ہو چکا ہے۔ جن لوگوں

نے مہدی کے مقابلے میں آنے کی کوشش کی ہے، وہ سب کے سب ختم ہو گئے اور یہ سب کچھ آپ کے مشاہدے میں آچکا ہے۔

یہاں قرآنِ پاک کی مختلف آیات جن کا مرکزی مضمون جہاد فی سبیل اللہ تھا نقل کی گئیں۔

آپ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں اور اسلام قبول کر لیں ورنہ ہمارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ مہدی برحق اسی لئے آئے ہیں کہ وہ کفّار کو نیست و نابود کر دیں۔ مہدیؒ کی تلوار سے بچ نکلنا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی زنجیریں ان لوگوں کی گردنوں میں ڈالے گا اور وہ کہیں بھاگ نہ سکیں گے۔"

کچھ عرصہ بعد ریئر ایڈمرل ہیوٹ اور میجر جنرل گراہم کی جانب سے مندرجہ ذیل اعلان شائع کیا گیا:

"ہم انگریزی ایڈمرل اور جنرل نیز مختلف شیوخ کو سواکن آنے اور ہمیں ملنے کے لئے یہ اعلان بھیج رہے ہیں۔

ہم نے اس سے پہلے متنبّہ کیا تھا کہ انگریز ٹوکر کو بچانے کے لئے آرہے ہیں اور ساتھ ہی وہ تمہیں ظلم و ستم سے نجات دلانا چاہتے ہیں، لیکن تم نے عثمان دقنہ پر جو انتہائی بدنام بدمعاش ہے، اعتماد کیا۔ سب لوگ اس کے اعمال سے واقف ہیں۔ اُس نے سب لوگوں کو گمراہ کیا ہے کہ مہدی زمین پر آچکا ہے۔ ہم آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ

مہدی سوڈانیؒ کے بارے میں اُن کے مرید یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ مہدی جن کے ظہور کی البشارت دی گئی ہے، وہ یہی ہیں۔

اللہ تعالے جو کائنات کا مالک ہے. عثمان دقنہ جیسے بدمعاشوں کو زمین پر حکومت کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

تم لوگ کمزور ہو اور انگلستان کی جانب سے تمہیں معافی دی جاتی ہے. گمراہی کی دلدل سے نکلو، عثمان دقنہ کو اپنے علاقے سے مار بھگاؤ. ہم اس بات کی حمایت دیتے ہیں کہ تمہاری حفاظت کی جائے گی اور سب کو معافی دے دی جائے گی. فوراً اطاعت تسلیم کرنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ ورنہ تمہارا حشر ال طب کے مقام پر مارے جانے والے افراد سے مختلف نہ ہوگا"

ظاہر ہے کہ اس احمقانہ بدکلامی کا جواب خاموشی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا. مجاہدین نے اس اعلان کو اس قابل بھی نہ سمجھا کہ اس کا نوٹس لیا جائے. برطانوی ایڈمرل اور جنرل یقیناً اس پر غصے سے جھلا گئے، چنانچہ ۱۳ مارچ کو سواکن سے ساڑھے آٹھ میل کے فاصلے پر ایک محفوظ جگہ پر مقیم فوج تمائی کی جانب روانہ ہو گئی. برطانوی فوج کی تعداد یہ تھی۔

سوار فوج : ۴۱ افسر اور ۶۹۶ سپاہی
پیادہ فوج : ۱۰۶ افسر اور ۳۰۵۰ سپاہی بشمول بحریہ کا بریگیڈ
توپ خانہ : ۱۰ افسر ۱۶۶ سپاہی اور ۱۲ توپیں

اگلے روز ان سپاہیوں نے چھ میل پیش قدمی کی اور ایک ایسی جگہ جہاں مجاہدین کی افواج موجود تھیں رُک گئے۔ اس رات انگریزی فوج آرام کی نیند نہ سو سکی، کیونکہ تمام رات مجاہدین ان پر گولیاں چلاتے رہے۔ اس سے جانی نقصان تو نہ ہوا، لیکن تمام فوج انتہائی خوف و ہراس کی حالت میں رات بھر جاگتی رہی اور مجاہدین کا مقصد بھی

یہی تھا۔

مجاہدین کا حملہ | تمائی کا چھوٹا سا گاؤں آبادی کے لحاظ سے اہمیت کا حامل نہ تھا، لیکن یہاں کافی تعداد میں کنوئیں تھے اور ارکوٹ اور سنکاٹ کو جانے والی سڑکیں یہاں سے گزرتی تھیں، یہی وجہ تھی عثمان دقنہؒ نے اس وقت اسے اپنا ہیڈ کوارٹر بنا رکھا تھا اور اپنی افواج کے بڑے حصّے کو ایک تنگ اور خشک ندّی میں چھپایا ہوا تھا، تاکہ دشمن پر اچانک حملہ کر کے انہیں تہس نہس کیا جا سکے۔

جیسے ہی انگریزی سپاہی ندّی کے پاس پہنچے، مجاہدین ان پر ٹوٹ پڑے۔ دشمن کو بُری طرح پسپا ہونا پڑا۔ اس اچانک حملے کی وجہ سے بحریہ کے بریگیڈ کی مشین گنیں بھی وہیں رہ گئیں۔ جب ان کے ہوش و حواس مجتمع ہوئے، تو وہ ان مشین گنوں کو بچانے کے لئے آگے بڑھے، لیکن انہیں خاصی مہنگی قیمت ادا کرنا پڑی۔ صرف اس موقع پر ۵ افسر اور ۱۰۴ سپاہی مارے گئے اور ۸ افسر اور اتنے ہی سپاہی زخمی ہوئے۔ بعد میں مشین گنوں اور توپ خانے کی اندھا دھند گولہ باری سے مجاہدین کا بھی خاصا نقصان ہوا، لیکن پھر بھی ان کا پلّہ بھاری رہا۔

اس کے بعد انگریز سپاہ دیکھ بھال کے لئے کچھ لشکر کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بھجوانے کے علاوہ معرکے میں ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے قابل نہ رہی تھی۔ فوج گشت کرنے کی وجہ سے تھک چکی تھی اور اس کے حوصلے خاصے پست ہو چکے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ انگریز سپاہ چند مقامات پر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتی رہی۔ اصل مقصد یہ دکھانا تھا کہ انگریز فوج نے شکست نہیں کھائی۔ جب کہ حقیقت یہ تھی کہ یہ فوج کہیں بھی اہم مقام پر نہ جا سکی۔ شاہراہِ بربر پر ٹہلتے رہنے

سے نہ تو قبائل پر کسی قسم کا رعب داب پڑ سکتا تھا اور نہ ہی انگریز سپاہ کسی نوع کی فوجی فتوحات حاصل کر سکتی تھی۔ عثمان دقنہؒ نے مہدی سوڈانیؒ کے نام ایک خط میں گذشتہ دو ہفتوں کے دوران لڑائیوں کا ذکر یوں کیا :

"۱۴ جمادی الاوّل (۱۲ مارچ ۱۸۸۴ء) کو ۲۰ ہزار انگریزی سپاہ بشمول ۶ ہزار سوار اس علاقے میں پہنچی اور حفاظتی انتظامات کر کے وہاں رات گزاری۔ انصار تمام رات ان پر گولیاں برساتے رہے جس سے وہ تمام رات نہ سو سکے اور ان کا کچھ نقصان بھی ہوا۔ جب صبح ہوئی تو انگریز سپاہ نے توپوں سے گولہ باری اور رائفلوں سے فائر شروع کر دیا۔ انصار تمام دن ان پر حملے کرتے رہے، شام کو دونوں افواج پسپا ہو گئیں۔ انگریزوں کے ۸ ہزار سپاہی مارے گئے اور وہ واپس سواکن چلے گئے۔ اس لڑائی میں انصار کے ۲ ہزار افراد شہید اور اتنے ہی زخمی ہو گئے۔

جمادی الاوّل کے اواخر میں انگریز دوبارہ ۱۳ ہزار سپاہ لے کر آئے لیکن وہ ابھی ہم تک پہنچ نہ پائے تھے کہ اللہ تعالےٰ نے اُن کے دلوں میں ہماری ایسی ہیبت ڈالی کہ وہ بغیر لڑے واپس چلے گئے۔ ان میں سے صرف پانچ یا چھ ہزار سواکن پہنچے۔ باقی افراد راستے میں ختم ہو گئے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہیں زمین نگل گئی یا آسمان انہیں کھا گیا۔ ان کے خاتمے کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔ مختصر یہ کہ پانچ یا چھ ہزار افراد کے سوا تمام انگریز سپاہ تباہ ہو گئی۔

ان کے پاس ساحل پر ۲۸ سٹیمر موجود تھے، لیکن واپسی پر صرف ۵ سٹیمر بھر سکے۔ باقی سٹیمر خالی واپس گئے۔ ان میں سے ایک سٹیمر راستے میں تباہ ہو گیا۔ اس

سے پہلے بھی مصری حکومت کے کئی سٹیمر جن میں سپاہی، گھوڑے، خچر اور خزانہ تھا، تباہ ہو چکے ہیں۔[1]

عثمان دقنہ کی ہیبت

عثمان دقنہؒ کی ہیبت لندن کے سرکاری حلقوں میں اس حد تک بیٹھ چکی تھی کہ جب ایڈمرل ہیوٹ نے یہ اعلان جاری کیا کہ جو کوئی عثمان دقنہؒ کو زندہ یا مردہ لائے گا اسے خاطر خواہ انعام دیا جائیگا، تو حکومت برطانیہ نے فوراً ہدایت کی کہ اس اعلان کو واپس لیا جائے۔ برطانوی حکومت چاہتی تھی کہ عثمان دقنہؒ سے کسی قسم کی مخالفت مول نہ لی جائے اور انہیں اپنے حال پر رہنے دیا جائے۔

عثمان دقنہؒ کی افواج اب سواکن اور اس کے گرد و نواح میں آزادی سے نقل و حرکت کر رہی تھیں۔ انہوں نے بربر کا محاصرہ کرنے والی فوج کی مدد کے لئے چار توپیں بھجوا دیں۔ جالی قبیلے سے تعلق رکھنے والے اور گمدیہ طریقے کے ایک فرد محمد الدین حسن اس اہم شہر کے محاصرے کی کمان کر رہے تھے۔

علی گلہاد اکو غمزیہ نامی ایک جگہ پر جہاں حکومت کی ایک پوسٹ تھی، حملہ کرنے کے لئے کہا گیا، اگرچہ یہاں مقیم افراد بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے، لیکن یہ جگہ مجاہدین کے قبضے میں آ گئی۔

ان کامیابیوں کی وجہ سے عثمان دقنہؒ کے حامیوں کی تعداد میں مزید اضافہ ہو گیا۔ مزید افراد ان کے حلقہ بگوش ہو گئے اور اس طرح ان کے بھاری جانی نقصانات کا ازالہ ہو گیا جو انہیں گذشتہ جنگوں میں اٹھانے پڑے تھے۔ سال کے ختم ہونے تک عثمان دقنہؒ کی فوج کی تعداد پہلے سے کہیں زیادہ ہو چکی تھی۔

بحرِ احمر کے ساحلی علاقوں پر ان کا دبدبہ اور ہیبت چھا چکی تھی۔ انگریز یہاں سے دُم دبا کر بھاگ چکے تھے اور مجاہدین کا جھنڈا ساحلِ سواکن سے بربر تک لہرا رہا تھا۔

بربر کی فتح

۲۶ مئی ۱۸۸۴ء کو بربر نے ہتھیار ڈال دیئے اور یہ شہر مجاہدین کے قبضے میں آ گیا۔۔۔ اس فتح نے پوری تحریک میں ایک نیا ولولہ پیدا کر دیا تھا مجاہدین کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا۔ ان کا ہیڈ کوارٹر سواکن سے بارہ میل کے فاصلے پر تھا، لیکن گرد و نواح کے علاقوں پر مکمل کنٹرول تھا۔

۴ جولائی کو عثمان دقنہ کے بھتیجے محمد موسےٰ نے عتیق کے قریب حملہ کر دیا۔ یہ بندرگاہ سواکن سے ۵۰ میل کے فاصلے پر واقع تھی اور فوجی نقطۂ نظر سے اسے خاصی اہمیت حاصل تھی، کیوں کہ یہاں سے مجاہدین کو گولہ بارود کی سپلائی ہوتی تھی۔ یہاں کا رہنے والا قبیلہ بنی نامر حکومت سے تعاون کرتا رہتا تھا اور اس طرح مجاہدین کے خلاف رسد پہنچا کر تحریکِ جہاد سے غداری کر رہا تھا۔ اسے اس غداری کی سزا دینے کے لئے محمد موسےٰ نے ہدندوا قبیلے کے ۵۰۰ افراد کے ساتھ اچانک حملہ کیا۔ اس قبیلے کے کئی افراد مارے گئے اور باقی بچ بچا کر بھدر جزیرے میں پہنچ گئے جہاں حکومت کا ایک سٹیمر انہیں ضروریات کی چیزیں پہنچا دیا کرتا تھا۔ اس حملے سے عتیق کی اہم بندرگاہ مجاہدین کے قبضے میں آ گئی۔ اس طرح دشمن کے ہاتھ سے یہ اہم جگہ نکل گئی اور گولہ بارود اور دوسری اہم اشیاء کی رسد حاصل کرنے کے لیے مجاہدین کو ایک بہترین مرکز مل گیا۔ اس حملے کے صرف تین دن بعد سواکن پر شب خون مارا گیا اور کئی ماہ تک یہ حملے جاری رہے۔

ساحلِ بحرِ احمر کی حفاظت

نومبر ۱۸۸۴ء میں یہ اطلاع ملی کہ نیل کی برطانوی مہم کا آغاز ہونے والا ہے۔ اس وقت مہدی سوڈانی کو عثمان دقنہ کی مدد کی ضرورت تھی، لیکن دوسری طرف اس بات کو بھی نظر انداز نہ کیا جا سکتا تھا کہ سواکن بربر شاہراہ کی جانب سے برطانوی مہم کو امداد مل گئی تو مجاہدینِ سوڈان کے لئے خاصی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی، چنانچہ مہدی سوڈانی نے عثمان دقنہ کو بحرِ احمر کے ساتھ واقع سوڈان کے ساحل کی حفاظت کے سلئے رہنے دیا تاکہ ان کا ایک بازو محفوظ رہے اور یہ خطرہ باقی نہ رہے کہ دشمن اس طرف سے امداد حاصل کر لے گا۔

دسمبر کے اواخر میں رِوایا کی بندرگاہ جہاں نمک کی کانیں تھیں مجاہدین کے قبضے میں آ گئی۔ بنی عامر اور ہالنگاہ کے سردار، علی بے بخت اور علی سوغانی جو جہاد کرنے والوں کا ساتھ دینے کی بجائے حکومت کے ساتھ وفاداری کا دم بھرتے تھے، مجاہدین کے ہاتھوں مارے گئے اور ان کے مارے جانے سے عثمان دقنہ کو اندرونی فتنوں سے کافی حد تک نجات مل گئی۔

باب پنجم

گوریلا جنگیں

برطانوی جنرل گارڈن نے ۴ر نومبر ۱۸۸۴ء کو خرطوم سے ایک خط لکھا جو تیرہ روز وادیٔ حلفہ میں ولزلی تک پہنچا۔ اس خط میں یہ کہا گیا تھا کہ وہ ۴۰ دن تک بآسانی اور اس کے بعد بہ دقّت دفاع کر سکے گا۔ اسی طرح گارڈن کا ۱۴ر دسمبر کو لکھا ہوا خط ۳۰ر دسمبر کو مرو پہنچا جس میں اس نے یہ لکھا تھا کہ "ہم چاہتے ہیں کہ آپ جلد از جلد ہماری مدد کو پہنچیں"۔ تاہم امداد کی درخواست کے ساتھ ساتھ یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ عقب میں بربر کے علاقے میں دشمن کی موجودگی مضر ثابت ہوگی۔

برطانوی مشکلات

جنرل گارڈن کے ان دو خطوں میں سے پہلے خط کے پہنچنے پر جس میں واضح طور پر لکھا گیا تھا کہ وہ خرطوم میں نہایت مشکل حالات میں گرفتار ہے۔ حکومت برطانیہ نے مشرقی سوڈان میں افواج کو ہٹانے کی تجویز پر غور کیا۔ لارڈ ولزلی نے اس تجویز سے اس صورت میں اتفاق کیا کہ اس سے دو ماہ کے اندر اندر ایک ایسی متناسب فوج کے داخلے کے لئے انتظامات ہو سکیں جو محض حالات کو قابو میں لا سکے۔ دوسری طرف مشرقی صحرا میں فوج کی شکست کے اثرات جنرل گارڈن کو بچانے والی مہم کے حق میں ہرگز مفید نہ ہوتے اس مہم کو کامیاب بنانے کے لئے کم از کم وقت میں اقدام ضروری تھا۔

لارڈ ولزلی نے ۳ ہزار برطانوی سپاہ پر مشتمل فوج بھیجنے کی تجویز پیش کی اور یہ کہ اس میں سے دو ہزار سپاہی خاص طور پر مشرقی ساحل پر حالات درست کرنے کے لئے متعین ہوں۔ ان سپاہیوں کے استعمال کے لئے دو ہزار مضبوط سفید خچروں کے انتظامات بھی کئے گئے۔ اس نے لکھا میں نے اس بات کے امکان پر ہمیشہ غور کیا ہے کہ تمام سوار سپاہ سواکن بربر شاہراہ کو محفوظ بناتی ہوئی واپس پہنچے اور یہ کہ یہ فوج عثمان دقنہ[۱] کی قوت کو تہس نہس کر ڈالے۔ جب تک عثمان دقنہ[۲] موجود ہے مشرقی سوڈان میں حالات بہتر نہیں ہو سکتے۔

گارڈن کے اس مشورے کی وجہ سے کہ بربر کو محفوظ بنائے بغیر آگے نہ بڑھا جائے، لارڈ ولزلی کی فوج کی پیش قدمی رک گئی۔ یہ ، دسمبر تک خرطوم پہنچ جاتی، لیکن گارڈن کے پیغام کی وجہ سے لارڈ ولزلی خرطوم کی سنگین صورتِ حال کا صحیح اندازہ نہ لگا سکا۔ گارڈن نے کہا تھا کہ وہ ۱۴ دسمبر تک آسانی سے مقابلہ کر سکے گا اور اس کے بعد کچھ عرصہ دشواری سے دفاع کر پائے گا، لیکن ہوا یہ کہ خطرناک صورتِ حال پیش آئے ۴۳ دن گزر چکے تھے جب امدادی فوج آئی۔ فوجی نقطۂ نظر سے شاید یہ بات درست نہیں تھی کہ بربر کو مجاہدین کے ہاتھ میں چھوڑ کر برطانوی فوج آگے بڑھ جاتی، لیکن اس طرح گارڈن اپنے انجام سے کچھ اور عرصہ کے لئے بچ جاتا۔

مہدی[۲] کیخلاف نفسیاتی جنگ

حقیقت یہ ہے کہ مہدی سوڈانی[۲] اور عثمان دقنہ[۲] دونوں کی افواج کی بیک وقت نقل و حرکت اور مجاہدین کے جذبۂ حریت و شجاعت نے انگریزوں کے بہترین فوجی دماغوں کو

شل کر کے رکھ دیا تھا۔ ان کی تمام جنگی چالیں ناکام ہو رہی تھیں۔ وہ اپنے تمام تر وسائل کے باوجود ان بے وسیلہ جانبازوں کے مقابلے میں آنے سے ہچکچا رہے تھے۔

میدانِ جنگ ہمیشہ بہادروں ہی کے ہاتھ رہا ہے۔ بزدل چاہے بے شمار وسائل رکھتا ہو اس کے مقدر میں شکست کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ پھر برطانوی حکومت نے مہدیؒ کا پراپیگنڈا کر کے خود اپنی افواج پر اس کا رعب داب اس حد تک بٹھا دیا تھا کہ وہ اسے مافوق الفطرت شخصیت سمجھنے لگے تھے۔ یہی حال عثمان دقنہؒ کا تھا جس کا نام ان دنوں انگلستان میں مہدیؒ سے کسی طرح کم معروف نہ تھا۔

داغستان میں زارِ روس کے مقابلے میں لڑنے والے امام شاملؒ کی شخصیت کا رعب داب بھی روسی افواج پر کم نہ تھا۔ زار کی فوج کا ایک سپاہی لکھتا ہے کہ "ہم داغستان کی جانب بڑھ رہے تھے۔ میں اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ کیا یہ ممکن ہوگا کہ امامؒ دکھائی دے سکیں۔ جس کے جواب میں ساتھی نے یہ کہا کہ ایسا ناممکن ہے۔ وہ تو بجلی کے کوندے کی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ لپک جاتے ہیں۔ آج تک شاید ہی زار کے کسی سپاہی کو انہیں دیکھ سکنے کی سعادت نصیب ہوئی ہو۔ وہ تو اس زمین کی مخلوق نہیں کوئی آسمانی آفت ہیں جو زار کے سپاہیوں کو نگل جاتی ہے۔"

جو کام امام شاملؒ، عثمان دقنہؒ اور مہدی سوڈانیؒ لاکھوں روپیہ خرچ کر کے نہ کر سکتے تھے، وہ کام زارِ روس اور برطانوی حکمرانوں نے ان مجاہدوں کے لئے از خود کر دیا تھا۔ یہ ناعاقبت اندیش حکمران ان مجاہدین کی شخصیتیں بڑھا چڑھا کر بیان کر کے خود اپنے خلاف نفسیاتی جنگ کر رہے تھے۔ اس میں کسی حد تک ان

جرنیلوں کی تصوراتی رپورٹنگ کا دخل بھی تھا جو اپنی ناکامیوں اور شکستوں کا الزام ان مجاہدین کی مافوق الفطرت صلاحیتوں کے سر تھوپتے تھے۔ اگر جرنیل انہیں بڑھا چڑھا کر پیش نہ کرتے تو ان کی حکومتوں کی طرف سے بجا طور پر کہا جا سکتا تھا کہ تم اتنی معمولی یورش کو سر نہیں کر سکتے۔ اس طرح ایک حماقت کے ازالے کے لیے دوسری بڑی حماقت کی جاتی اور اس صورتِ حال کا تمام تر فائدہ ان مجاہدین کو پہنچ رہا تھا جو انتہائی بے سروسامانی کے باوجود اللہ تعالےٰ کے آسرے پر اور اس کی رضا جوئی کے لیے لڑ رہے تھے۔

غیر مسلم استعمار کے خلاف لڑی جانے والی آزادی و حُریت کی تمام جنگوں میں ایک بات ہمیں مشترک نظر آتی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالےٰ کی نُصرت اور امداد ہمیشہ مجاہدین کے شاملِ حال رہی۔ چند بے خانماں مجاہد اٹھے اور اپنے دور کی سب سے بڑی قوتوں سے یوں ٹکرا گئے، گویا کہ ان کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔

داغستان کے پہاڑوں میں رہنے والے مجاہد اپنے دَور کے سب سے بڑے استعمار زارِ شاہی کی افواج کے ساتھ برسرپیکار رہے اور داغستان کو روسی افواج کا قبرستان بنا دیا۔ دوسری طرف عثمان دقنہؒ نے ساحلِ سواکن پر اپنی چھوٹی سی جمعیت سے سلطنتِ برطانیہ کی افواجِ قاہرہ سے ٹکر لی جس کی قلمرو پر آفتاب غروب نہ ہوتا تھا۔

اس صدی کے اوائل میں عبدالکریم الریفی نے فرانس اور سپین کی مشترکہ قوتوں کو شکست دی اور رلیف کی پہاڑیوں کو فرانس اور سپین کی افواج کا مشترکہ مرگھٹ بنا دیا۔

نیا معرکہ

حقیقت تو یہ ہے کہ مسلم اقوام آج مادی وسائل کے لحاظ سے انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے نصف اول کے مقابلے میں کہیں آگے ہیں، لیکن جہاں تک اس جذبے اور ولولے کی شدت کا تعلق ہے شاید ہم اس کے پاسنگ بھی نہیں۔ مادی وسائل کے ساتھ ساتھ جب تک جذبہ جہاد پیدا نہ ہو، جدید استعمار کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نیا استعمار نسبتاً زیادہ تجربہ کار ہے۔ اس کے ہتھکنڈے کہیں زیادہ پرُفریب ہیں اور اس نے زارِ روس اور سلطنتِ برطانیہ، ڈچ فرانسیسی اور اطالوی قوتوں کے نوآبادکارانہ نظام کا بخوبی مطالعہ کر کے کچھ نتائج اخذ کیے ہیں اور ان کے تحت بڑی نرم روی لیکن نہایت مستقل مزاجی اور دُور اندیشی سے کام جاری رکھا ہے۔

یہ نیا استعمار تلوار کا زور آزمانے کی نسبت ذہن کو تسخیر کر رہا ہے۔ یہ توپوں کی گھن گرج کی بجائے پریس، ہوائی جہازوں سے بم باری کرنے کی بجائے ریڈیو ٹیلی وژن اور فلموں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں، ہم جنہیں اپنی تمام قوتِ مدافعت اس کے خلاف استعمال کرنا چاہیے تھی، خود اس استعمار کے ہاتھوں میں کل پرزے بنے ہوئے ہیں۔ ہمارے بہترین دماغ ان کے کام آ رہے ہیں اور اس معرکۂ کارزار میں مزے کی بات تو یہ ہے کہ سرے سے کارزار کی کیفیت کا سراغ ہی نہیں ملتا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ عثمان دقنہؒ اور ان جیسے بے شمار رہنماؤں نے جس طرح اپنے جذبۂ ایمانی سے کام لے کر اس دور کے استعمار کو شکست دی تھی، اسی طرح اس جدید معرکے میں اس دور کے مسلم رہنما اپنی تمام تر صلاحیتیں

نئے چیلنج اور نئے کارزار میں مقابلے کے لئے جھونک دیں۔

جنرل گارڈن کی موت

بالآخر جو ہونا تھا وہی ہو کے رہا۔ برطانیہ اپنی تمام تر قوت کے باوجود جنرل گارڈن کی مدد کے لئے اپنی فوجیں خرطوم نہ پہنچا سکا۔ اور ۲۶ جنوری ۱۸۸۵ء کو خرطوم کی برطانوی چھاؤنی نے ہتھیار ڈال دیئے۔ جنرل گارڈن مجاہدین کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کی موت کی خبر سنتے ہی پورے برطانیہ میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ برطانوی پریس نے گارڈن کو پہلے ہی بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا تھا۔ اب اُس کے یوں مارے جانے سے پوری قوم میں اُسے ہیرو کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اس کی شخصیت پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں اور خرطوم کے واقعات کے تذکروں سے اخبارات و رسائل کے صفحات بھر دیئے گئے۔

برطانوی عوام حکومت کی پالیسیوں سے سخت ناخوش تھے۔ مہدی سوڈانی" کے ہاتھوں گارڈن کے مارے جانے کا انتقام لینا ضروری تھا۔ اس لئے عثمان دقنہ" پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ مہدی" کا بدلہ عثمان دقنہ" سے لینا نسبتاً آسان نظر آ رہا تھا۔ برطانوی کابینہ اس نتیجے پر پہنچی کہ ہر قیمت پر عثمان دقنہ" کو شکست دی جائے۔ اس مقصد کے لئے مشرقی سوڈان میں ایک بہت بڑی فوج بھیجنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

دوسری طرف صورتِ حال یہ تھی کہ خرطوم کے ہتھیار ڈالنے کی اطلاع سن کر پورا مشرقی سوڈان مہدی" کے پرچم تلے آ چکا تھا۔ ان کے نائب عثمان دقنہ" کا ڈنکا ساحلِ سواکن سے بربر تک بج رہا تھا اور پوری قوم جہاد کے جذبے سے سرشار ہو کر انگریزوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے بے تاب تھی۔



ســواكــن

ریلوے لائن کی تعمیر

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، برطانوی حکومت عثمان دقنہ کو شکست دے کر اپنی کھوئی ہوئی ساکھ بحال کرنے کا سوچ رہی تھی۔ اس مقصد کے لئے سواکن سے بربرتک ریل کی پٹڑی بچھانے اور سنکاٹ اور ٹوکر کے اضلاع پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ اس علاقے پر فوجی قبضے کا بڑا فائدہ یہ ہوتا کہ یہاں سوار فوج کے اونٹ اور گھوڑے موسم گرما میں چرائے جا سکتے تھے۔ ریلوے لائن کا مقصد جہاں سامانِ رسد کی فراہمی میں سہولتیں بہم پہنچانا تھا وہاں مقامی آبادی پر یہ ظاہر کرنا بھی تھا کہ برطانوی حکومت سوڈان کو دوبارہ فتح کرنے کا مصمم ارادہ کئے ہوئے ہے اور اس مقصد کیلئے بڑی مقدار میں سامانِ رسد پہنچانے کا ارادہ رکھتی ہے

اس لائن کی حیثیت فوجی سے کہیں زیادہ سیاسی تھی۔ لارڈ ولزلی نے ۸ فروری کو لارڈ ہارٹنگسٹن کو تار کے ذریعے یہ پیغام دیا "عثمان دقنہ کا مقابلہ جس قدر جلد کیا جائے اتنا ہی بہتر ہوگا۔ میں مشورہ دوں گا کہ ہندوستانی پیادہ فوج کا ایک بریگیڈ اور پنجاب رسالے کی ایک رجمنٹ جلد از جلد سواکن بھجوادی جائے تاکہ وہ موسم گرما کے دوران میں اس مقام کا دفاع کرے اور ساتھ ہی ساتھ بربرتک کی سڑک کھلی رکھنے میں میری مدد بھی کرے۔ اس صورت میں سواکن بھیجی جانے والی برطانوی سپاہ موسم گرما پہاڑوں پر گزار سکتی ہے یا موسم سرما کی مہم کے لئے مصر بھیجی جا سکتی ہے"

برطانوی طاقت

عثمان دقنہ کے خلاف مہم بھجوانے کے لئے برطانیہ نے باقاعدہ کارروائی کا آغاز کر دیا۔ ۱۷۔ فروری ۱۸۸۵ء کو سواکن سے بربرتک ریل کی پٹڑی بچھانے کا ٹھیکہ دے دیا گیا۔ اس کے تین دن بعد وزارت

دفاع نے جنرل سرجیرالڈ گراہم کو سواکن فیلڈ فورس کی کمان سونپنے کے احکامات جاری کر دیئے۔ اسے یہ ہدایت دی گئی تھیں کہ "اس مہم کے بنیادی مقصد کے حصول، یعنی عثمان دقنہ" کی طاقت کو پاش پاش کر دینے کے لئے تمام تر ذرائع استعمال کئے جائیں۔"

لارڈ ولزلی نے اس مہم کے لئے جس فوج کی سفارش کی تھی۔ اس میں ۴ بٹالین پیادہ فوج، سواروں کے ۳ دستے اور قاہرہ کے توپ خانے کی چار توپوں کے علاوہ سواکن میں مقیم فوج بھی تھی جس میں ۱۰۹ افسر اور ۲۵۲۶ سپاہی اور دیگر متعلقہ افراد تھے برطانوی سپاہ کے علاوہ ۳ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ہندوستانی بریگیڈ جس کے لئے ہر نوع کا ساز و سامان، ۲ ماہ کے لئے رسد اور ٹرانسپورٹ مہیا کی گئی تھی، تاکہ موسم گرما کے دوران سواکن کا مؤثر دفاع کیا جا سکے۔

اس برطانوی فوج کے لئے متعلقات کی فراہمی ہندوستان سے کی گئی تھی۔ سواکن میں پینے کے پانی کی کمی تھی؛ چنانچہ اس کمی کو دُور کرنے کے لئے ۴ جہاز متعین کئے گئے جو روزانہ ۳۰ ہزار گیلن پانی فراہم کر سکتے تھے۔ بعد میں مزید پانچ جہاز شامل کر دیئے گئے اور اس طرح روزانہ ۷۵ ہزار گیلن پانی مہیا کیا جانے لگا۔

اس فوج کے لئے انتظامات کا حال سُنیئے۔ اس کے لئے گوشت اوڈیسہ سے چارہ انگلستان، مصر اور ہندوستان سے اور لکڑی قبرص، ہندوستان اور مصر سے مہیا کی جا رہی تھی۔ رسد کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۸ ہزار ۴ سو فوجیوں، ساڑھے تین ہزار گھوڑوں اور ۷ ہزار اونٹوں کے لئے انتظامات کئے جاتے تھے۔

برطانوی کیمپ پر چاند ماری

برطانوی جنرل سر جیرالڈ گراہم ۱۲ مارچ ۱۸۸۵ء کو ساحلِ سواکن پر پہنچا اور کمان سنبھال لی سواکن کی اس مہم کا کیمپ اتنے لمبے چوڑے علاقے میں پھیلا ہوا تھا کہ مجاہدین ہر رات ان بن بلائے مہمانوں کی گولیوں سے بآسانی تواضع کر سکتے تھے۔ اس توجہ پر ۷ مارچ سے ۱۵ مارچ تک مسلسل رات بھر گولیاں چلائی جاتی رہیں۔ اس مسلسل چاند ماری سے انگریزوں کا خاصا جانی نقصان ہوا۔

اب سواکن کی کل فوج کی تعداد یہ تھی ۵۰۰ افسر، ۱۲۵۲۲ سوار اور لاتعداد پیادہ افراد۔ دوسری جانب عثمان دقنہؒ کی کمان میں صرف ۱۰ ہزار مجاہدین تھے جن میں سے ایک ہزار حاشین کے مقام پر تھے، جب کہ ان کے اپنے ہیڈ کوارٹر تمائی میں موجود مجاہدین کی تعداد صرف ۷ ہزار تھی ایک چھوٹی فوج ٹوکر کے دفاع کے لئے متعین تھی۔

عثمان دقنہؒ کی افواج پر حملہ کرنے کی تیاریاں کی جا رہی تھیں تاکہ ریلوے لائن کے منصوبے کو آگے بڑھایا جا سکے۔ ہندوا علاقے پر پورا قبضہ کر کے برطانوی فوج کے لئے پہاڑوں اور غیر برطانوی فوج کے لئے میدانوں میں چھاؤنیاں بنانے کے لئے جگہوں کا انتخاب کیا جانا تھا۔ اسی طرح ریلوے کے کام کو آگے بڑھانے کے تمبوک کے کنوؤں اور ارباب پر بھی قبضہ کرنے کا ارادہ تھا، لیکن لارڈ ولزلی کے موسم گرما میں بربر کے قبضے میں ناکامی کی صورت میں جنرل گراہم کو یہ بتا دیا گیا تھا کہ اس صورت میں ارباب سے آگے ریلوے لائن بچھانا ممکن نہ ہو سکے گا۔

خرطوم کی فتح کے نتائج

دوسری طرف جنرل گارڈن کے مارے جانے اور خرطوم کے ہتھیار ڈال دینے سے مہدی سوڈانی" کی افواج کے حوصلے بے حد بڑھ چکے تھے۔ اسی طرح وہ اب خرطوم کی جانب سے مطمئن ہونے کے بعد دوسرے علاقوں کی جانب پیش قدمی کرنے کے لئے تیار تھے۔ ان مجاہدین نے انگریزوں کو عبرت ناک شکست دے کر مسلمانوں کی تاریخ میں ایک روشن باب کا اضافہ کیا تھا اور پوری دنیا میں برطانوی استعمار کے تلے دبی ہوئی مسلم اقوام میں عزم اور حوصلے کی شمعیں روشن کر دی تھیں۔

یہ وہ وقت تھا جب کہ پورے ہندوستان کے مسلمان غلامی کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔ دوسری طرف افغانستان میں بھی انگریزوں کے قدم آگے بڑھ رہے تھے۔ مشرق بعید میں بھی مسلمان آبادیاں ان کے قبضے میں تھیں اور سنگاپور سے جبرالٹر تک کا وسیع علاقہ انگریزوں کی بحریہ کے رحم وکرم پر تھا۔

اتنی بڑی سلطنت کی افواج کو تہس نہس کر دینا، ان کے انتہائی قابل جرنیل کو مار ڈالنا، پوری برطانوی سلطنت کو ہلا دینے کے مترادف تھا۔ کہا جاتا ہے کہ گارڈن کے مارے جانے کے صدمے سے ملکہ برطانیہ سخت بیمار ہوگئی تھی اور اس کی جان لالے پڑ گئے تھے۔ مہدی سوڈانی' کے عظیم جذبۂ جہاد کی صداقت میں اگر پہلے کسی کو شک بھی تھا، تو خرطوم کی عظیم فتح آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی تھی۔ اب ہزاروں کی تعداد میں مجاہدین ایک بار پھر انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لئے سواکن کی جانب بڑھنے لگے۔

۴۔ فروری کو سراپی بارنگ کو تار دینا پڑی کہ سواکن سے قاہرہ پہنچنے والی تمام

اطلاعات کے مطابق عثمان دقنہؒ کی قوت بہت بڑی حد تک بڑھ چکی تھی۔

گوریلا طریق جنگ

انگریز بہت بڑے پیمانے پر تیاریاں کر رہے تھے۔ اس سے پہلے ساحلِ سواکن پر مقیم افواج کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ وہ کس بڑی تعداد میں موجود تھے اور انہیں سامانِ رسد کس فراوانی سے پہنچایا جا رہا تھا۔ عثمان دقنہؒ نے کھلے میدان میں اتنی بڑی فوج سے لڑنے کی بجائے گوریلا طریقِ جنگ اختیار کیا اور اس طرح انگریز فوج کو بھاری نقصان پہنچایا۔ مجاہدین رات گئے تک انگریز کیمپ پر چھاپہ مارتے یا تمام رات ان پر گولیاں برساتے رہتے یا فوج کے درمیان خالی جگہوں سے گھس کر فوج کے کسی بھی حصے کو نشانہ بنا کر اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آسانی سے پسپا ہو جاتے۔ یہ صورتِ حال جہاں انگریزوں کے حق میں انتہائی نقصان دہ تھی، وہاں مجاہدین اس طرح اپنی قوت کو محفوظ رکھتے ہوئے، انگریز فوج کو آہستہ آہستہ جھٹکا لگاتے جا رہے تھے۔

سواکن کی قلعہ بند دیواروں کے پیچھے اتنی جگہ نہ تھی کہ فوج کو وہاں رکھا جا سکتا؛ چنانچہ فوج کا بہت بڑا حصہ ان دیواروں کے باہر مقیم تھا۔ ان کی حفاظت کے لئے ان سے کچھ فاصلے پر چھوٹے چھوٹے قلعے بنے ہوئے تھے۔ کیمپ کا شمالی حصہ ایک طرف اسلحہ خانے سے لے کر دوسری طرف مغرب تک پھیلا ہوا تھا، جب کہ مغربی حصہ ٹیلے سے لے کر تسطا قلعے تک تھا۔ جنوبی جانب دفاعی مورچے سمندر تک بنے ہوئے تھے اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری ہندوستانی بریگیڈیر کے سر تھی۔ مغربی ٹیلے کے پیچھے انگریز افواج کا کیمپ تھا۔ ان کے بائیں جانب ایک خلا تھا جس کے بعد کچھ اور انگریز افواج پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی۔ اس کیمپ کی پچھلی جانب

آرمی ہسپتال کور، رائل آرٹلری، بحریہ، سوار دستے اور ہیڈ کوارٹر تھا۔

مجاہدین ہر رات مختلف خالی جگہوں سے رینگ رینگ کر کیمپ میں آن گھستے تھے۔ رات کی تاریکی میں ان کے روغن ملے ہوئے سیاہ جسم چھوٹی سے چھوٹی جھاڑی کو بھی اوٹ میں لیے ہوئے اور مکمل خاموشی اختیار کئے ہوئے کیمپ میں یوں داخل ہوتے کہ انگریز فوج تمام تر احتیاط کے باوجود اُن کا سراغ تک نہ لگا سکتی۔ وہ صحرائی پرندوں کی آوازیں نکالتے اور اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ قائم کرتے۔ یہی آوازیں ان کے درمیان رابطے کے علاوہ مختلف پیغامات پہنچانے کا کام بھی دیتیں۔ ان کی موجودگی کا پتہ اس وقت چلتا جب کسی سوئے ہوئے سپاہی کی آخری چیخیں فضا کی خاموشی میں ارتعاش پیدا کر دیتیں۔ اور فوراً فضا میں گولیوں کی باڑھ کی آواز بلند ہوتی، پھر تمام کیمپ کے سوئے ہوئے سپاہی اپنے بستر میں لرز اٹھتے۔ کچھ دیر بعد فضا کی خاموشی سے انہیں امن چین کا یقین ہو جاتا۔ لیکن پھر بھی سناٹے میں ہوا کی معمولی سی سرسراہٹ انہیں انجانے خطرات کے بارے میں وسوسوں میں مبتلا کر دیتی اور وہ سوتے سوتے لبا اوقات ڈراؤنے خواب دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوتے۔

عبدالاسد کی شہادت

ہر رات یہ واقعہ دہرایا جاتا اور کیمپ میں سونے والا ہر سپاہی انجان خطروں کو اپنے سینے میں لیے ہوئے سوتا اور لبا اوقات خوابوں میں اپنے خطروں کو حقیقت میں بدلا دیکھ کر ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھتا۔ شاید ہی کوئی ایسی رات گزرتی ہو جس میں سپاہیوں کو چین سے سونا نصیب ہوا ہو۔ اس صورتِ حال نے انہیں حد درجہ ڈرپوک بنا دیا تھا وہ معمولی سی آہٹ پر

مشین گنوں کے منہ کھول دیتے اور اس طرح اپنا گولہ بارُود ضائع کرتے رہیے جب کہ مجاہدین کا نقصان نہ ہونے کے برابر ہوتا۔

البتّہ ایک رات کے معرکے میں مجاہدین کے انتہائی اہم رہنما اپنے ساتھیوں سمیت شہید ہو گئے۔ ہوا یوں کہ عثمان دقنہؒ کے ایک علم بردار عبدالاسد نے ایک رات اسلحہ خانے پر چھاپہ مارا۔ یہ انتہائی بہادر اور جراُت مند مجاہد تھے۔ انہوں نے ساحلِ سواکن پر کچھ عرصہ ملازمت کی تھی جس کے دوران انہیں انگریزی سیکھنے کا موقع ملا تھا۔ جب رات کو سنتریوں نے انہیں للکارا تو انہوں نے انگریزی میں (FRIEND) دوست کہا اور اپنے ساتھیوں سمیت آگے بڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کے ساتھیوں نے سنتریوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ اتفاق سے اسلحہ خانے میں موجود سپاہیوں کی آنکھ کھل گئی۔ یہاں دفاعی انتظامات پہلے سے کئے گئے تھے۔ لڑائی ہوئی اور اس معرکے میں عبدالاسدؒ اپنے کئی ساتھیوں سمیت شہید ہو گئے۔ عثمان دقنہؒ کو ان کی شہادت کا بے حد دُکھ ہوا کیونکہ وہ ان کے معتمد ترین افراد میں سے تھے۔

برطانوی کیمپ کی حالتِ زار

جہاں انگریز کیمپ کی راتیں انتہائی دہشت ناکی کا عالم لئے ہوتیں وہاں دن کا وقت بھی کچھ کم بھیانک نہ تھا۔ سواکن کا موسم انتہائی تکلیف دہ تھا۔ فضا میں دہکتی ریت کے ذرّات بادلوں کی طرح بکھر جاتے اور پسینے میں شرابور سپاہیوں کے چہروں پر لیپ کر جاتے۔ ہر طرف مکھیوں کی بھنبھناہٹ اور فضا میں مُردہ اونٹوں کا تعفّن پورے ماحول کو انتہائی زہرآلود بنا دیتا۔ گِدّھوں اور چیلوں کی بھرمار رہتی اور ہر طرف بیماری کا دور دورہ رہتا۔

ہر در خندقیں کھودی جائیں، لیکن ہر رات مجاہدین ان میں سے گزر کر رات کے سکوت کا طلسم توڑتی چیخوں اور گولیوں کی بوچھاڑ کے ڈرامے کو دہراتے ہوئے خاموشی سے واپس اپنی کمین گاہوں میں پہنچ جاتے۔ رات ہوتے ہی پورے کیمپ پر موت کے مہیب سائے سے پھیل جاتے اور ہر صبح کچھ سونے والے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سو چکے ہوتے۔

ان دنوں مجاہدین کے گروہ ہندوب، حاشین اور تمائی کے درمیان تھے۔ سب سے زیادہ تعداد تمائی کے مقام پر تھی، چونکہ حاشین سے بڑی تعداد میں مجاہدین کے دستوں کی پیش قدمی تمائی کی جانب ہونے والی تھی، جہاں جنرل گراہم حملہ کرنا چاہتا تھا، اس لئے اس نے حاشین کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا۔ اس مہم میں برطانوی فوج کا خاصا نقصان ہوا ، تاہم وہ واپس سواکن پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

دوسرے دن اس سے بڑی تعداد میں برطانوی فوج نے مجاہدین کے مقابلے میں اُترنے کی کوشش کی جس میں ۱۴۸ افسر اور جوان مارے گئے یا زخمی ہوئے۔ اب جنگ کا ایک نیا دور شروع ہو گیا اور انگریز افواج کو رات کے حملوں سے نجات مل گئی۔

ایک چھوٹا معرکہ

انگریز افواج نے صحرا میں رسد کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے پانی اور دوسرے سامانِ رسد کے لئے ایک کیمپ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۲۲ مارچ کو سرجے میکنیل کو یہ حکم ملا کہ وہ سواکن سے آٹھ میل دُور جا کر تین کیمپ قائم کرے جن میں سے ہر ایک میں دو ہزار اونٹوں کی گنجائش ہو جب کہ دو کیمپ حفاظتی مقاصد کے لئے بنائے جائیں جن میں

سے ہر ایک میں ایک ایک بٹالین رہ سکے۔ برکنشائر رجمنٹ، بحریہ کی بٹالین، ۴ توپیں اور رائل انجینیرز کی ایک کمپنی کو وہاں رہنا تھا۔ ہندوستانی بریگیڈ کو سواکن کے راستے میں دشواری کی وجہ سے قافلے کی رفتار ڈیڑھ میل فی گھنٹہ رہ گئی تھی۔ آٹھ میل دور ڈپو تک پہنچنا دشوار ہو رہا تھا، چنانچہ سر جی گراہم کی رضامندی سے یہ فیصلہ ہوا کہ چھ میل سے آگے نہ بڑھا جائے۔ یہ فوج توفرک کے مقام پر روک لی گئی اور وہاں حفاظتی کیمپ بنانے کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔

حفاظتی کیمپ کی تکمیل سے پہلے مجاہدین نے ڈھائی بجے دوپہر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ کامیاب رہا اور برطانوی فوج دم دبا کر بھاگ گئی، لیکن اس کے بعد اس نے پلٹ کر حملہ کر دیا۔ مجاہدین نے بڑی بہادری سے اس جگہ کا دفاع کیا، لیکن بے شمار مجاہدین کے شہید اور زخمی ہونے کی وجہ سے وہ اس جگہ پر قبضہ برقرار نہ رکھ سکے۔ یہاں ۱۰۰۰ مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا۔ دوسری طرف برطانوی افواج کے ۱۵۴ افراد مارے گئے یا زخمی ہوئے۔ اسی طرح ہندوستانی بریگیڈ کے لگ بھگ ۳ سو افراد مارے گئے اور ۴۷۰ زخمی ہوئے۔ دونوں طرف سے معرکہ خاصا شدید رہا۔ مجاہدین نے بڑا اچھا موقع تلاش کیا تھا۔ انہوں نے برطانوی فوج کے نسبتاً چھوٹے حصے پر حملہ کر کے انہیں شدید نقصان پہنچایا۔

دو دن بعد ۲۴ مارچ ۱۸۸۵ء ایک اور جھڑپ میں ۹ افسر اور ۲۰ سپاہی مارے گئے یا زخمی ہوئے۔ ۲۹ مارچ کو نیو ساؤتھ ویلز سے مزید برطانوی سپاہ آشامل ہوئی جس کی تعداد یہ تھی: ۲۸ افسر، ۵۰۰ سپاہی، ۳۲ ایمبولینس کور کے سپاہی، اور ۳۰ توپچی۔ ان کی کمان کرنل رچرڈسن کے ہاتھ میں تھی۔

ایک کیمپ قائم کرنا تھا اور اس کی حفاظت کے لیے ایک بٹالین کو وہاں رکھنا تھا۔ تمائی کے پچھلے راستے سے جانے کے بجائے ایک نیا راستہ اختیار کیا گیا تھا جو گھنی جھاڑیوں سے ہو کر گزرتا تھا۔ راستے کی

ایک ناکام مہم

سرجی گراہم نے ۲۔اپریل کو ایک بار پھر عثمان دقنہ کی افواج کو شکست دینے کی کوشش کی۔ وہ ۸ ہزار کے قریب سپاہی لئے تمائی کی جانب روانہ ہوا۔ تمائی میں کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا، کیونکہ مجاہدین پہلے ہی پہاڑوں میں محفوظ مقامات پر چلے گئے تھے۔ جہاں انگریز فوج کو جانے کی ہمت نہ پڑ سکتی تھی، چنانچہ وہ تمائی میں کچھ گھروں کو آگ لگا کر واپس آ گئے۔ راستے میں جگہ جگہ چھپے ہوئے مجاہدین نے ان پر گولیاں برسائیں اور اس فوج کے کئی افراد مارے گئے۔

اتنی بڑی فوج کے بے نیل مرام واپس آنے کے ۱۱۔اور ۲۰۔اپریل کے درمیان مختلف جگہ فوجی دستے بھجوائے گئے، لیکن وہ بھی مجاہدین کو نقصان پہنچانے میں ناکام رہے، چند بکریوں کو ہانک کر لانے کے علاوہ کوئی اور قابلِ ذکر کارنامہ انجام نہ دے سکے۔

دوسری جانب عثمان دقنہ کے مجاہدین نے ٹیلیگراف لائن کاٹ دی اور ریلوے لائن کے ایک بڑے حصے کو شدید نقصان پہنچایا۔ ہر رات جنرل گراہم کے کیمپ پر حملہ کیا جاتا اور اس طرح دشمن کو ہر رات ہراساں کیا جاتا رہا، تاہم عثمان دقنہ نے موسم گرما کی وجہ سے بہت بڑے پیمانے پر کوئی کاروائی کرنے سے احتراز کیا پھر بھی چھوٹے حملوں ہی سے اتنا نقصان ہو رہا تھا کہ برطانوی حکومت نے اس لشکر جرار کو جسے بڑی محنت سے اکٹھا کیا گیا تھا، واپس بلانا مناسب سمجھا۔

اب تک اس مہم پر ۲ کروڑ روپے خرچ کئے جا چکے تھے، لیکن اتنے وسیع انتظامات کے باوجود حکومتِ برطانیہ اس مہم کو واپس بلانے پر مجبور ہو چکی

تھی۔ یہ مہم اپنے تمام تر مقاصد میں بُری طرح ناکام رہی تھی۔ سواکن بربر شاہراہ کو نہ کھولا جا سکا تھا۔ ریلوے لائن بنانے کا منصوبہ ادھورا چھوڑ کر رخصت ہونا پڑ رہا تھا اور عثمان دقنہؒ کو گرفتار کرنے کا خواب پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکا تھا۔

مہدی سوڈانیؒ کا پرچم پورے ساحلِ سواکن پر لہرا رہا تھا۔ عثمان دقنہؒ کی حیثیت ان کے معتمد ترین نائب اور انتہائی دلیر جنرل کی تھی جس نے اپنی اصل افواج کو میدانِ جنگ میں جھونکے بغیر محض گوریلا کارروائیوں سے اتنی بڑی مہم کو ناکام واپس جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان بے سروساماں مجاہدوں کے جذبۂ ایمانی نے سلطنتِ برطانیہ کی بہترین افواج کو نامراد لوٹنے کی ذلت آمیز سزا دی تھی۔

جنرل ہڈسن کی کمان

مئی ۱۸۸۵ء میں جنرل ہڈسن نے جنرل گراہم کی جگہ سواکن کی کمان سنبھال لی۔ اب پوری فوج میں سے صرف ایک برطانوی بٹالین، ۲۴۰۵ ہندوستانی اور ۲۵۰۰ مصری سپاہ باقی رہ گئی تھی۔ سواکن کا محاصرہ بدستور جاری تھا۔ سواکن پر آئے دن حملے ہوتے رہتے اور یہاں کے رہنے والوں کو چین سے جینا نصیب نہ ہو رہا تھا۔ قریبی قبرستان میں قبروں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا۔ سال ختم ہونے تک عثمان دقنہؒ کسالا کی جانب چلے گئے تھے۔ سواکن کے علاوہ جس کا محاصرہ جاری تھا، پورا مشرقی سوڈان ان کے قدموں تلے تھا۔ مختصراً یہ کہ ۱۸۸۵ء کا سال انگریز افواج کے لیے بڑا بھاری سال تھا۔ جنرل گارڈن خرطوم میں مارا جا چکا تھا۔ لارڈ ولزلی کی فوج جو اُسے بچانے کے لئے گئی تھی، اپنی آنکھوں کے سامنے یہ سب کچھ دیکھتی رہی اُسے واپس ہونا پڑا۔ بے شمار انگریز افسروں اور سپاہیوں کو جان سے ہاتھ



امیر احمد اپنے ساتھیوں کے ہمراہ

دھونا پڑے اور پھر بھی عثمان دقنہ کو شکست نہ دی جا سکی۔ لاکھوں پاؤنڈ کا سرمایہ اور بے شمار افراد کا خون ساحلِ سواکن کو سیراب کرنے کے سوا کسی کام نہ آ سکا تھا ریل کی اکھڑی ہوئی پٹڑیاں اپنے بنانے والوں کا ماتم کرتی نظر آتی تھیں۔ برطانوی فوج کے ویران کیمپ اپنی تباہی کی داستان سنا رہے تھے۔ دوسری طرف عثمان دقنہ کی بہادر افواج کی قوت پہلے سے کئی گنا بڑھ چکی تھی

عثمان دقنہ کی قوت کو ختم کرنے کے لئے کتنے وسیع انتظامات کئے گئے تھے اور کتنا بڑا لشکر ترتیب دیا گیا تھا۔ اس بات کا اندازہ صرف اسی ایک بات سے ہو سکتا ہے کہ کرۂ ارض کے دور دراز گوشوں سے آزمودہ کار سپاہی لائے گئے تھے، لیکن وہ اپنے زخموں کو چاٹنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ کینیڈا سے ریڈانڈین ہندوستان سے پنجابی سکھ اور بنگالی، مغربی افریقہ سے خچروں کو ہانکنے والے مشرقی افریقہ سے صومالی، مالٹا کے باشندے۔ آسٹریلیا اور جزائر برطانیہ کے رہنے والے سبھی نے ساحلِ سواکن پر اپنے دور کی سب سے بڑی سلطنت کو مجاہدین کے بلند ارادوں، زبردست حوصلوں اور ان کی بے پناہ شجاعت کے سامنے گھٹنے ٹیکتے دیکھا

باب ششم

مہدی سوڈانیؒ کے بعد معرکے

مہدی سوڈانیؒ کا انتقال

مہدی سوڈانیؒ مختصر علالت کے بعد ۲۲ جون ۱۸۸۵ء کو ام درماں میں انتقال کر گئے۔ انہوں نے اپنی مختصر لیکن جدوجہد سے بھرپور زندگی میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ان کی درخشاں مثال آنے والے زمانے میں بھی مسلمانوں کے دلوں کو گرماتی رہے گی۔ اُن کی جنگی قابلیت، انتظامی صلاحیتوں اور بے مثال شجاعت کی داستانیں ہمیشہ تابندہ رہیں گی۔ اللہ تعالےٰ انہیں اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دے۔

عثمان دقنہؒ اسی قندیل کے نور یافتہ تھے۔ حضرت مہدی سوڈانیؒ کے انتقال کے زمانے میں وہ اپنے ہیڈ کوارٹر تماکی میں تھے۔ جس وقت انہیں یہ المناک خبر موصول ہوئی، اُس وقت کسالا کا محاصرہ ختم ہو چکا تھا اور اس کے محصورین نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ عثمان دقنہؒ فوراً کسالا پہنچے اور وہاں تمام مجاہدین کے سامنے مہدی سوڈانیؒ کے نائب خلیفہ کا پیغام پڑھ کر سنایا۔ انہوں نے تمام افراد سے نئے خلیفہ کی بیعت کرنے کے لئے کہا اور ساتھ ہی ان الفاظ کو جو حضرت ابو بکرؓ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انتقال پر کہے تھے، مناسب ترمیم کر کے دہرائے۔

"جو کوئی مہدیؒ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ وہ انتقال کر چکے ہیں اور

جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے، تو وہ حیّ و قیوم ذات ہے خلیفہ عبداللّٰہی مہدیؒ کی جگہ خلیفہ مقرر ہوئے ہیں۔ کیا آپ سب نئے خلیفہ کو تسلیم کرتے ہیں اور کیا اس کے احکامات کی اطاعت کریں گے"؟

سب لوگوں نے خلیفہ کی اطاعت کا اقرار کیا اور عثمان دقنہؒ کے ہاتھوں پر ان کے نائب کی حیثیت سے بیعت کی۔

سوڈان پر مجاہدین کا قبضہ

کسالا کے ہتھیار ڈالنے سے پورے سوڈان پر مجاہدین کا پرچم لہرانے لگا۔ صرف سواکن میں کچھ برطانوی افواج موجود تھیں، لیکن ان کی خاص اہمیت نہ تھی۔ گذشتہ تین برس کے عرصے میں، وہ مجاہدین کا تمام تر اسلحہ ڈنڈوں، مکوں اور چند نیزوں کے سوا کچھ نہ تھا، ایک ایسی فوج کو شکستوں پر شکستیں دے چکے تھے جو اپنے دور کی بہترین تربیت یافتہ فوج تھی اور جس کے پاس اس دور کا جدید ترین اسلحہ موجود تھا۔ چند فاقہ کش مجاہدوں کو ساتھ لے کر نکلنے والے مہدی سوڈانی" کے جھنڈے تلے پورے سوڈان کے افراد اکٹھے ہو چکے تھے اور دس لاکھ مربع میل پر مشتمل علاقہ ان کے زیر نگیں آ چکا تھا۔ غیر ملکی حملہ آوروں کو خود ان کے اپنے گھر کی طرف دھکیلا جا چکا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ عالم اسلام میں غلامی کی اس شب تاریک میں مہدی "سوڈانی کا وجود ایک درخشندہ ستارے کی حیثیت رکھتا تھا۔

عام طور سے مہدی سوڈانی" کی محیّر العقول فتوحات کو مصری حکومت کی کمزوری سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اگر ایک لمحے کے لئے اسے تسلیم بھی کر لیا جائے، تو کیا یہ حقیقت نہیں کہ ان مجاہدین کی کامیابیاں اور تھوڑے ہی عرصے میں سوڈان کے طول و عرض پر

اپنا جھنڈا لہرانے کے واقعات قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ کر دیتے ہیں۔
اس دور میں ان کے انتہائی محدود وسائل کو دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ وہ نہ صرف مصری حکومت، بلکہ اس کی پشت پناہ سلطنتِ برطانیہ کی بڑی بڑی افواج کو عبرتناک شکستوں کے بعد پسپائی پر مجبور کر دیں گے!

امام شاملؒ کے ہاتھوں زارِ روس کی افواج کا جو حشر ۳۰ سال قبل قفقاز کے پہاڑوں میں ہو چکا تھا، اس کے لگ بھگ ہی انگریز افواج کا نقصان یہاں سوڈان میں ہوا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ زارِ روس کی افواج تقریباً نصف صدی تک لڑتی رہی تھیں، جب کہ برطانوی فوج معمولی سے عرصے میں ہار گئی۔

جنگ کے اثرات

جنگ کی وجہ سے زراعت، تجارت اور دوسرے معاشی کام کافی متاثر ہوئے تھے۔ بے شمار افراد شہید یا زخمی ہو چکے تھے اور مشرقی سوڈان میں جنگ کی تباہ کاریاں اپنا رنگ لا رہی تھیں۔ باہر سے ایک بہت بڑی فوج کے قیام۔ نے بھی مقامی معیشت پر بُرا اثر ڈالا تھا۔ پھر وہ قبائل جو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے کے عادی تھے اور ایک مرکزی نظم کو اپنی قبائلی آزادی کے منافی سمجھتے تھے، کچھ عرصہ کے لئے تو ایک تنظیم کے ساتھ ہو گئے تھے، لیکن انہیں طویل عرصے تک اپنی آزادی سے دستبردار ہونا منظور نہ تھا۔ یوں بھی ان قبائل کو بیرونی دشمنی کچھ عرصے کے لئے تو ایک رکھ سکتی تھی، لیکن کسی اعلیٰ نصب العین کی خاطر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک ہو جانا اُن کی فطرت سے ہم آہنگ نہ تھا۔

برِّصغیر کے شمال مغربی حصے میں پٹھان قبائل بھی انگریزوں کے خلاف دتنی

اتحاد کرنے کے بعد آپس میں جنگوں کے سلسلے کو موقوف کرنے پر آمادہ نہ ہوتے تھے۔ مولینا بشیر شہیدؒ نے انہیں خاصے عرصے تک متحد رکھا، لیکن ان کی شہادت کے بعد پھر وہی سلسلۂ حرب شروع ہوگیا تھا۔ یہی حال داغستان میں امام شامل ؒ کے دور میں تھا کہ مقامی قبائل طویل عرصے تک مزاحمت نہ کر سکتے تھے۔ اس میں کسی حد تک ان کی معاشی مجبوریوں کا ہاتھ بھی تھا۔ جب تک کوئی بیرونی طاقت طویل عرصے تک امداد نہ دے، کوئی بھی گوریلا جنگ دیر تک جاری نہیں رہ سکتی۔ بالخصوص وہ علاقے جہاں کی معیشت کا تمام تر دارومدار زراعت اور بھیڑ بکریوں کی گلہ بانی پر ہو، زیادہ طویل عرصے تک جدوجہد کو جاری نہیں رکھ سکتے۔

حبشہ سے معاہدہ

برطانوی حکومت عثمان دقنہ ؒ کے خلاف ناکام ہونے پر عیسائی طاقت ابی سینیا کی طرف متوجہ ہوئی اور اس سے مدد کی درخواست کی۔ جون ۱۸۸۴ء میں ایڈمرل سر ڈبلیو ہیوٹ کی سرکردگی میں ایک برطانوی مشن ابی سینیا کے بادشاہ جان کے پاس پہنچا اور اس سے ایک معاہدہ کیا جس کی رُو سے اُسے بوگوس اور کرن کے علاقے دے دیئے گئے۔ اس سے کہا گیا کہ وہ کسالا، اماریب اور سنہیب کی چھاؤنیوں کو مجاہدین سے خالی کروالے۔ جان نے گیرا اور گالابٹ کو بھی خالی کروانے کا وعدہ کیا۔

۱۴ ستمبر کو بوگوس جان کے حوالے کر دیا گیا۔ اس نے گالابٹ میں محصور برطانوی فوج کو بچانے کے لئے اپنی فوج روانہ کر دی اور ایک طویل لڑائی کے بعد بالآخر فروری ۱۸۸۵ء میں مجاہدین نے محاصرہ اٹھا لیا۔ اس کے بعد سنہیت اور اماریب کی چھاؤنیوں سے بھی محاصرہ اٹھا لیا گیا۔

مجاہدین نے اب تمام تر توجہ کسالا کی طرف مبذول کر دی تھی۔ دوسری چھاؤنیوں کے محاصرے اٹھا لینے کے بعد سب مجاہدین کسالا کے محاصرے کے لئے اکٹھے ہو گئے تھے جس کی وجہ سے کسالا کے محصورین کی حالت خاصی نازک ہو گئی تھی۔ کرنل چیر مسائڈ نے ابی سینیا کے بادشاہ کے نام پیغامات بھیجے جن میں کہا گیا تھا کہ فوری طور پر امداد بھیجی جائے۔ راس الولہ ستمبر میں امداد کے لئے پہنچا، لیکن اس وقت تک محصورین نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

کسالا کا محاصرہ

کسالا کا محاصرہ نومبر ۱۸۸۳ء میں شروع ہوا تھا، محاصرے کی کمان مصطفےٰ ہدال کے ہاتھوں میں تھی جو امیر ہونے کے ساتھ ساتھ جنرل بھی تھے۔ ان کے ماتحت تین امیر تھے: الحسن والحاشی، بلال السماز ندواب اور علی حامد۔ جنوری ۱۸۸۴ء میں مجاہدین نے شہر پہ بھرپور حملہ کیا۔ ہر چند کہ محصورین نے حملہ پسپا کر دیا، لیکن اُن کا اتنا بھاری جانی نقصان ہوا کہ انہیں محسوس ہو گیا کہ یہ محاصرہ جلد ہی کامیاب ہو جائے گا۔

کئی ایسے افراد جو اس سے پہلے حکومت کا ساتھ دے رہے تھے۔ اب مجاہدین کے ساتھ آن ملے۔ ۱۵ جون کو ایک اور حملہ کیا گیا، لیکن یہ حملہ بھی ناکام رہا۔ کسالا کا بیرونی حصہ خاتمیہ قبضے میں آگیا۔ اب محصورین کو ہر جانب سے مکمل گھیراؤ کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ انہیں کسی جانب سے امداد نہ مل سکتی تھی۔

۳۰ جولائی کو ایک طویل محاصرے کے بعد کسالا نے مجاہدین کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ عثمان دقنہؒ کو اس کامیابی کی فوری اطلاع تمائی پہنچائی گئی انہوں نے اپنی جگہ اپنے بھتیجے محمد موسیٰ کو مقرر کر کے فوراً کسالا کا قصد کیا۔

انہیں اطلاع کہ ابی سینیا کی فوج راس الولہ کی کمان میں کسالا کا رُخ کر رہی ہے ، چنانچہ انہوں نے مصطفےٰ ہدال کی قیادت میں دس ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک فوج مقابلے کے لئے بھجوا دی ۔ اس فوج کے ہمراہ الحسن دالحاشی ۔ بلال السمار ندواب اور عبدالکریم کفوت بھی تھے ۔

عثمان دقنہ سے غداری

۲۲ ستمبر کو راس الولہ کی فوج جن کی تعداد مجاہدین سے دوگنا تھی کیفیت کے مقام پر پہنچ گئیں ۔ اس فوج کے ہراول دستے کی کمان دجاج گوبرا کے ہاتھ میں تھی ۔ علی نورین (اسیدیرات کا شیخ) عبدالقادر بے ، محمد مالیہ اور محمد الفل (بنی عامر کا شیخ) بھی ابی سینیا کی اس فوج کے ساتھ تھے ۔ کفار کی اس فوج کی ہمراہی میں مجاہدین کے خلاف لڑنے کے لئے یہ لوگ بھی آئے ہوئے تھے جن کا وجود ننگِ اسلام تھا ۔

عثمان دقنہ نے بڑھ کر حملہ کیا اور ابتدا میں انہیں کامیابی نصیب ہوئی ۔ ہراول دستے کا کمانڈر دجاج گوبرا مارا گیا اور ابی سینیا کی فوج کا بڑا حصّہ منتشر ہو گیا ؛ تاہم عثمان دقنہ کے ساتھ عین میدانِ جنگ میں غداری ہوئی اور کچھ قریبی ساتھی ان کا ساتھ چھوڑ گئے ۔ اس سازش کی وجہ سے انہیں بھاری نقصان اُٹھا کر واپس کسالا لوٹنا پڑا ۔

عثمان دقنہ نے غداروں کو عبرت ناک سزا دینے کا تہیہ کیا ۔ جو لوگ اس فوج کو مسلمانوں پر چڑھا لائے تھے انہیں سزا دینا ضروری تھا ۔ احمد بے عِفت ، ابراہیم آفندی حسن آغا بیضاوی (جو رسالے کی کمان کر رہا تھا) صالح بغدادی اور تین تاجر علی شاوش الحجازی ، مسٹر ٹیڈ ردس (جو ارمنی تھا) اور ایک یونانی سٹیلو گرفتار کر لئے

گئے دو دن بعد شہر میں منادی کی گئی اور علی شادش اور ابراہیم آفندی کے سوا جن پر سنگین الزامات نہ تھے، باقی سب افراد کو برسرِ عام پھانسی دے دی گئی۔ ان مجرموں نے ابی سینیا کی افواج کے ساتھ خط و کتابت کی تھی اور انہیں کسالا بلانے کی کوشش کی تھی۔

جنگ کے بعد مالِ غنیمت تقسیم کر دیا گیا اور قیدیوں کو دیگر اسلحہ توپوں اور گولہ بارود کے ہمراہ ام درمان بھجوا دیا۔ راستے میں فراگ آفندی نے دیگر ۴۵ قیدیوں کے ساتھ فرار ہونے کی کوشش کی اور مساوا پہنچنے میں کامیاب ہو گیا، چونکہ ہدندوا قبیلے کے سربراہ محمد ابن الشیخ موسیٰ نے ان مفرورین کو پناہ دی تھی، اس لئے عثمان دقنہؒ نے اسے قید کر دیا اور اس کے دوسرے ساتھیوں کو بھی سزا دی۔

اس قبیلے کے لوگوں نے خلیفہ کو پیغام پہنچایا جس میں عثمان دقنہؒ کو معزول کرنے کی درخواست دی گئی تھی۔ ان تمام قبائل کے لئے ایک مرکزی نظم کی پابندی سخت گراں تھی یہی وجہ تھی کہ وہ اکثر شورشیں بپا کرتے رہتے تھے کبھی خطرہ محسوس کرتے، تو جہاد کے ایک جھنڈے تلے اکٹھے ہو جاتے اور خطرہ ٹلتے ہی ایک دوسرے سے لڑنے میں پہلے سے کہیں زیادہ مشغول ہو جاتے۔ ان خودسر قبائل کو منظم کر کے برطانوی افواج کو شکست دے ڈالنا کوئی معمولی کارنامہ نہ تھا۔

نئے دفاعی انتظامات

محمد عثمان ابوگرہ ایک ہزار سوار اور دس ہزار پیادہ فوج کے ہمراہ کسالا پہنچے، تاکہ اس شہر کے دفاع کا انتظام کیا جائے۔ عثمان دقنہؒ کی افواج بھی وہیں موجود تھیں۔ ان دو مختلف افواج کی ایک ہی جگہ موجودگی پورے علاقے کی حفاظت کے نقطۂ نظر سے درست نہ تھی۔ با

چنانچہ خلیفہ نے ابو گرگہ کو عثمان دقنہ کی کمان میں ٹوکر جانے کا حکم دیا۔
عثمان دقنہ کو ابھی کسالا رہنا تھا۔ کچھ عرصہ بعد خلیفہ کی جانب سے
انھیں یہ ہدایت دی گئی کہ وہ سواکن کے محاصرے کو بدستور جاری رکھیں۔
انھوں نے اپنے بھتیجے محمد فے علی دقنہ کو کسالا کا امیر مقرر کیا اور عبداللہ ابوبکر
کو خزانے کا محافظِ اعلیٰ مقرر کیا۔ اس کے بعد وہ اپنے کیمپ تمائی کی جانب
روانہ ہو گئے۔ وہ ۲۱ فروری ۱۸۸۶ء کو وہاں پہنچے۔

۱۸۸۶ء کا تمام سال نسبتاً امن چین سے گزرا۔ برطانوی افواج
نے سوڈان کے معاملات میں مداخلت کی کوشش نہ کی۔ وہ شاید
پچھلے سال کی شکست کے زخم سہلا رہے تھے۔ اس سال موسم بہار میں عثمان
دقنہ تمائی میں تھے، ان کے گرد و پیش بہت بڑی تعداد میں افراد جمع ہو
چکے تھے۔ ان کا کیمپ تقریباً ڈھائی میل کے علاقے میں پھیلا ہوا
تھا۔ یہ کیمپ چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور ان
کی حفاظت کے لیے خاردار جھاڑیوں کا پورا انتظام کیا گیا تھا۔
عثمان دقنہ کا حکم رواایا اور حلاتب نک کے علاقے پر محیط تھا۔ رواایا
کی کمان محمد مدانی کے پاس تھی اور شیخ برگوٹ کی بندرگاہ تک کا علاقہ
ان کے زیر انتظام تھا۔ ۱۱ مئی کو سواکن میں مقیم برطانوی سپاہ
یہ جگہ چھوڑ کر چلی گئی تاہم ابھی یہاں ۲۵۰۰ مصری سپاہ موجود تھی۔
اب برطانوی حکمتِ عملی یہ تھی کہ مقامی قبائل کو عثمان دقنہ کے
خلاف لڑایا جائے اور اس طرح آہستہ آہستہ ان کی طاقت کو کمزور

کیا جاتے، چنانچہ سرکاری افواج مقامی قبائل کو اسلحہ دینے اور انہیں امداد بہم پہنچانے کا کام کر رہی تھیں۔ وہ خود براہ راست تصادم سے گریز کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا تھیں۔

اس مقصد کے لیے حکومت نے جون کے مہینے میں شیخ برگوت کی بندرگاہ کے قریب ایک پوسٹ قائم کی اور امارار قبیلے کو عثمان دقنہؒ کی افواج سے لڑنے کے لئے خاص طور پر مسلح کیا جاتا رہا۔ وہ ۱۷ جون اور ۲۴ جون کو دو چھوٹی جھڑپوں میں کامیاب بھی رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے عثمان دقنہؒ کے ایک بھتیجے دیدار موسیٰ دقنہؒ کو گرفتار کر لیا، تاہم امارا قبیلہ اپنے بل بوتے پر مجاہدین کے خلاف لڑنے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ انہیں باقاعدہ طور پر حکومت کی سرپرستی حاصل رہی۔ خوراک اور دیگر سامانِ رسد ملتا رہا۔ ساتھ ہی ساتھ انہیں حکومت کی حفاظت میں تنزلا کے کنوؤں کے قریب ایک جگہ دے دی گئی۔

مستقل لڑائیوں کی وجہ سے کچھ اور قبائل کے حوصلے بھی پست ہو رہے تھے جاب اور اشرف قبائل بھی امارار کے ساتھ آملے اور حکومت کی سرپرستی قبول کر لی۔ سواکن کا محاصرہ کرنے والے مجاہدین کو واپس بلا لیا گیا تھا وہ تمائی اور قریبی پہاڑیوں میں چلے گئے تھے۔ حاشین اور ہندوب بھی خالی کر دیے گئے تھے اور ۱۰ اگست کو عثمان دقنہؒ تمائی سے بھی پیچھے ہٹ گئے۔ دس روز بعد سواکن کے اہم افراد کا اجتماع ہوا جس میں انہوں نے حکومت سے درخواست کی کہ وہ عثمان دقنہؒ کے خلاف کارروائی کرنے میں ان کی مدد کرے۔ جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے حکومت کی پالیسی براہِ راست تصادم کی بجائے حلیف قبائل کی امداد کرنے کی تھی، چنانچہ

انہیں اسلحہ اور بارود دے دیا گیا۔ گولہ بارود کے علاوہ لوٹ کا دوسرا مال واپس دینے کا وعدہ بھی کیا گیا۔

امارار قبیلہ کا حملہ

۶ ستمبر کو امارار قبیلے نے عثمان دقنہ پر حملہ کر دیا۔ اور وہ تمائی کے قلعے میں محصور ہونے پر مجبور ہو گئے۔ ایک ماہ کے طویل عرصے کے بعد قبائلی فوج تمائی کے قلعے کے حصار توڑنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس مقام پر ۲۰۰ کے لگ بھگ مجاہدین جن میں شیخ طاہر کے بیٹے بھی شامل تھے شہید ہوئے لیکن محاصرے کے آخری مرحلے میں عثمان دقنہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ قلعہ کے پاس ہی ایک مسجد تھی۔ اس مسجد کے منبر سے عثمان دقنہ شیخ طاہر اور دوسرے کتنے ہی اہم رہنماؤں نے خطاب کیا تھا۔ اس مسجد میں چٹائیاں اور گھاس بچھی تھی اور چھت کو تاڑ کے دس کھمبوں سے سہارا دیا گیا تھا۔ اس مسجد کی حیثیت عدالت کی بھی تھی۔ جہاں مقدموں کا فیصلہ کیا جاتا اور مجرموں کو سزائیں دی جاتیں۔ مسجد کے بائیں جانب بیت المال تھا۔ اس کے ساتھ چند کوٹھڑیاں تھیں جہاں قیدیوں کو رکھا جاتا تھا۔

امارار قبیلے کی اس کامیابی کی وجہ سے محمد ابو فاطمہ بھی جو اشرف قبیلے کا سردار تھا، ان کے ساتھ آملا اور اب یہ دونوں قبیلے ٹوکر کے رہنے والوں کو بھی ساتھ ملانے کے لئے آگے بڑھے، لیکن الطّب کے مقام پر انہیں معلوم ہوا کہ فکی موسیٰ ٹوکر کو چھوڑ کر آ گئے ہیں۔ اس لئے وہ ۶ نومبر کو لڑے بغیر واپس آ گئے۔

اب دوسرے قبائل نے بھی حکومت کی سرپرستی قبول کر لی اور تجارت کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ کرنل کچنر نے جو میجر واٹسن کی جگہ ۸ ستمبر کو سواکن کا گورنر مقرر ہوا تھا،

یہ رپورٹ بھجوائی کہ عثمان دقنہ کی قوت ختم ہوچکی ہے"

مشرقی سوڈان کی اس تشویشناک صورتِ حال کا جائزہ لینے کیلیے خلیفہ نے ہدندوا کے تمام سرداروں سے مشورہ کرنے کیلئے انہیں بلوایا اور ان سرداروں کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ عثمان دقنہ کی بجائے ابو گرگہ کو مشرقی سوڈان میں متعین کر دیا جائے، لیکن یہ سردار اس پر بھی راضی نہ تھے۔ خلیفہ کو اُن کے غیر معقول رویے پر بے حد غصہ آیا، حقیقت یہ تھی کہ یہ سردار اس بات پر آمادہ نہ تھے کہ انہیں کسی مرکزی نظم کے تحت رہنا پڑے۔ خلیفہ نے ان کو قید میں ڈال دیا، لیکن کچھ ہی عرصے بعد انہیں رہا کر دیا گیا اور یرغمال کے طور پر ان کے سردار محمد موسےٰ کو امِ درماں میں رکھ کر انہیں واپس بھجوا دیا گیا۔ اب عثمان دقنہ کے ذمے قبائل کو جہاد کے لئے آمادہ کرنے کے کام پر لگا دیا گیا۔

سواکن کی اہمیت

سواکن پورے مشرقی سوڈان کی اہم ترین بندرگاہ تھی اور اسے اس پورے علاقے کے لئے جو بحرِ احمر سے لے کر نیل تک پھیلا ہوا تھا، ایک کلیدی مقام تھا یہی وجہ تھی کہ جہاں مجاہدین طویل عرصے تک اس کا محاصرہ کئے رہے، وہاں برطانوی افواج نے بھی دفاعی انتظامات میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی مختلف گورنروں نے یکے بعد دیگرے اس کے استحکامات کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی کوشش کی۔

سلیمان پاشا نیازی ۱۸۸۳ء میں مشرقی سوڈان کا گورنر تھا۔ اس کے بعد باکر پاشا اور پھر فروری ۱۸۸۴ء میں ایڈمرل ہیوٹ اس علاقے کا حاکم مقرر ہوا۔ اس کے بعد سر کہ ومر آشبرنا ہم، کرنل چرمسائڈ، جنرل فری منیٹل اور جنرل ہڈسن یکے بعد دیگرے گورنر مقرر ہوتے رہے۔ ۱۸۸۶ء میں جنرل ڈکسن اور اس کے

بعد سر چارلس وارن، میجر واٹسن اور کرنل کچز یکے بعد دیگرے اسی عہدے پر رہے اور یہ سب سواکن کے استحکامات کے لئے کچھ نہ کچھ کرتے رہے۔ مختلف گورنروں کے عہد میں مختلف حصار اور قلعہ بندیاں تعمیر ہوتی رہیں۔ حتیٰ کہ سواکن کی حیثیت ایک انتہائی مضبوط قلعہ بند چھاؤنی کی سی ہو گئی۔

سواکن پر حملے

اُدھر عثمان دقنہ اور ان کے مجاہدین کی طاقت میں بھی روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ اب ان کے ہاتھ بندوقیں اور کچھ توپیں بھی آ چکی تھیں۔ مجاہدین رات کے وقت سواکن کے نزدیک آ پہنچتے اور شہر پر گولیاں برساتے بالآخر برطانوی ایڈمرل ہیوٹ اور قونصل نے شہر کے حصار کا جائزہ لے کر کچھ مقامات پر بارودی سرنگیں بچھانے کا انتظام کیا۔ انہیں آپس میں بجلی کی تاروں کے ذریعے منسلک کر کے ان کا رابطہ شہر کے اندر واقع مرکزی مقام سے کر دیا۔ ایک طرف ساحل پر مقیم جہازوں کی جانب سے راکٹ برسائے جا رہے تھے۔ دوسری طرف مجاہدین جو ان بارودی سرنگوں کے وجود سے آگاہ نہ تھے، ان کی زد میں آ گئے اور ایک جگہ تیس مجاہدین شہادت سے سرفراز ہوئے؛ تاہم اس سے ان کے حوصلے متاثر نہ ہوئے۔ کچھ ہی دن بعد مجاہدین نے ایک حصار پر حملہ کر کے اس کے برطانوی افسر اور دوسرے تمام مدافعین کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

اسی اثناء میں سواکن کے اردگرد کئی چھوٹے چھوٹے حصار بنائے گئے جو ۱۲ فٹ لمبے اور تیس فٹ اونچے تھے، ساتھ ہی خود سواکن میں مختلف دفاعی تعمیرات کا سلسلہ قائم کیا گیا۔ اس طرح سواکن کو دفاعی اعتبار سے انتہائی محفوظ بنانے کی کوششیں کی گئی تھیں۔ شہر اور ان حصاروں کے درمیان چرواہے اپنی بھیڑ بکریاں چرانے کے ساتھ ساتھ

مجاہدین کی سرگرمیوں کے بارے میں اطلاعات فراہم کرنے کا کام بھی کیا کرتے تھے اور ساحل پر مقیم جنگی جہاز رات کی تاریکی میں اپنی طاقتور سرچ لائٹوں کے ذریعے مجاہدین کے راستے میں رکاوٹ بنتے تھے۔ ان جہازوں سے راکٹ بھی برسائے جاتے اور مجاہدین کے حملے کے لئے اکٹھے ہونے کی جگہ کی نشاندہی بھی ہو جاتی تھی۔

مقامی افراد کا رویّہ

سواکن کا دفاع ہر اعتبار سے مستحکم تھا، تاہم انگریزوں کے نقطۂ نظر سے اس میں دو بنیادی کمزوریاں تھیں پہلی پانی کی فراہمی کا تسلی بخش انتظام نہ ہونا، دوسرے شہر میں ان کے حامی عناصر کا ناقابلِ اعتماد ہونا۔ ان کا حال یہ تھا کہ جب تک سواکن میں برطانوی افواج کی بڑی تعداد مقیم رہتی یہ ان کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوتے، لیکن جیسے ہی انہیں یہ احساس ہوتا کہ وہ ان کا دفاع کرنے کے قابل نہیں، وہ عثمان دقنہ کے مجاہدین کے غیظ و غضب سے بچنے کیلئے ان کے ساتھ مذاکرات شروع کر دیتے۔

۱۸۸۷ء کے اوائل میں سواکن میں بظاہر امن چین تھا۔ کرنل کچز نے اپنی کوششوں سے مقامی افراد کو حکومت کا مطیع بنا لیا تھا، اور سواکن کے بڑے دروازے پر یہ عبارت لکھوادی تھی:

"اس جگہ آنے اور جانے والوں، دونوں پر سلامتی ہو۔"

اس کے باوجود کبھی کبھار کھڑکیوں کے پاس بیٹھے ہوئے، کھانا کھاتے ہوئے انگریز افسروں کو گولیوں کی آوازیں سنتے ہی کرسیوں کے نیچے دبک جانا پڑتا تھا۔ دوسری طرف ساحل پر کھڑے جہازوں سے مجاہدین کے ٹھکانوں پر گولہ باری کی جاتی تھی۔ فضا میں عام طور پر امن کے باوجود جنگ کے شرارے اڑتے ہوئے نظر آتے اور میدانِ جنگ

کی سی کیفیت پیدا ہونے میں دیر نہ لگتی تھی۔

جولائی میں عثمان دقنہؒ کو صلاح مشورے کے لئے ام درمان بلالیا گیا۔ ان کے وہاں چلے جانے سے سواکن کو کچھ سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا۔ اسی سال موسم سرما میں دو بٹالین یہاں سے روانہ ہوگئیں۔ جونہی عثمان دقنہؒ کو یہ اطلاع ملی انہوں نے کسالا سے فوراً رخت سفر باندھا۔ وہ ام درمان کے بعد کسالا چلے گئے تھے۔ انہوں نے فوراً ۵ ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر کی کمان سنبھالی اور سواکن پر حملہ آور ہونے کی غرض سے آگے بڑھے؛ تاہم اس اثنا میں خلیفہ کی جانب سے یہ حکم آچکا تھا کہ محصور جگہ پر حملہ نہ کیا جائے۔ اس لئے انہوں نے حملے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور قبائل کو ساتھ ملانے کی غرض سے مختلف جانب وفود بھجوائے، لیکن قبائل کی باہمی رقابتوں کی وجہ سے ان وفود کو خاص کامیابی نہ ہو سکی۔

حبشہ کی شکست

۱۸۸۷ء کے اختتام پر عثمان دقنہؒ ہندوب کے مقام پر اپنی فوج کے ہمراہ مقیم تھے۔ وہ اکا دکا حملے کرنے کے علاوہ کچھ نہ کر سکتے تھے، کیونکہ جہازوں کی سرچ لائٹوں اور گولہ باری کی وجہ سے کسی مستقل کامیابی کی توقع نہ کی جا سکتی تھی۔ اس سال مجاہدین اور حبشہ کی افواج کے درمیان زبردست جنگ ہوئی۔ اس سے پہلے جون میں حبشہ کی افواج کے ہاتھوں مجاہدین کو شکست اٹھانا پڑی تھی۔ اس کا انتقام لینے کے لئے خلیفہ نے ایک بہت بڑے لشکر کو جس کی تعداد ۸۷ ہزار بتائی جاتی ہے بھیجا۔ ابو انگا اور ذکی تمال کی قیادت میں مجاہدین کے لشکر نے حبشہ کی افواج کو عبرت ناک شکست دی اور امہرا صوبے کے صدر مقام گوندر تک ان کا پیچھا کیا۔ یہاں سے مجاہدین کا فاتح لشکر واپس

سوڈان آگیا۔ ہرچند عثمان دقنہؒ کو مشرقی علاقے میں نمایاں کامیابیاں نہ ہو سکیں تاہم حبشہ کی افواج کی عبرت ناک شکست مجاہدین کے لئے ایک اہم خوشخبری کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس وقت مجاہدین کا مقابلہ کرنے کی سکت صرف حبشہ کی افواج ہی میں تھی اور ان کی شکست سے سوڈان کی سرحد پر منڈلاتے ہوئے خطروں کا سدباب ہو گیا۔

حبشہ کی عیسائی سلطنت انگریزوں کی حلیف تھی اور صلیب کو ماننے والی یہ دو حکومتیں مجاہدین کی ہلالی اور بلالی قوت سے پنجہ آزما تھیں۔

بحر احمر کی اہمیت

حبشہ آج بھی اریٹریا کے مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہے اور صلیبی استعماری قوتیں حبشہ کی پشت پناہی میں مصروف ہیں۔ عالمِ اسلام کا ناسور اسرائیل بھی حبشہ کا ساتھ دے رہا ہے۔ اور الکفرُ ملۃٌ واحدۃٌ کے مصداق عیسائی اور یہودی قوت اریٹریا کے نہتے لیکن پرعزم مجاہدین کے خلاف استعمال ہو رہی ہے۔ اریٹریا کا علاقہ بحرِ احمر کے ساحل اور سعودی عرب کے بالمقابل واقع ہونے کی وجہ سے خاصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس علاقے میں پیش آنے والے واقعات سے عالمِ اسلام کو کسی طرح بے خبر نہ رہنا چاہیئے۔

علامہ اقبال نے پچاس برس پہلے عدن اور بحرِ احمر کے علاقے کے بارے میں کہا تھا کہ مسلمانوں کو اس علاقے میں تاریخی اور سیاسی تبدیلیوں کا بغور مطالعہ کرنا چاہیئے اور ان سے صرفِ نظر نہ کرنا چاہیئے آج جب کہ عالمِ اسلام ایک نئی کروٹ لے رہا ہے۔ مسلمان مملکتوں کو بحرِ احمر کے ساحل پر پیش آنے والے واقعات پر اپنی پوری توجہ مبذول کرنا چاہیئے۔ سعودی عرب اور مقاماتِ مقدسہ کے

دفاع کے نقطۂ نظر سے اس علاقے کی جو اہمیت ہے۔ اس کے بیان کرنے کی چنداں حاجت نہیں۔ اربابِ نظر یقیناً اس سے آگاہ ہوں گے۔

باب ہفتم

اسلامی حکومت کا قیام

امارر پر حملہ

عثمان دقنہؒ کو سواکن پر حملے کے ذریعے کامیابی حاصل کرنا ممکن نظر نہ آیا، تو انہوں نے امارر پر حملہ کرنے کی ٹھانی؛ چنانچہ ۱۳ جنوری کو ہندوب سے ایک لشکر بھیجا کہ دار کے مقام پیران سے نبرد آزما ہو۔ وہ مختلف جھڑپوں کے بعد ... افراد کا نقصان اٹھا کر امارر سے پسپا ہوئے کرنل کچنر نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہا اور عثمان دقنہؒ کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کا خیال تھا کہ چونکہ مجاہدین کی بڑی تعداد ہندوب چھوڑ کر جا چکی ہے اس لئے یہ کام آسان ہوگا۔

ہندوب میں مجاہدین کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ کچنر کا خیال تھا کہ اچانک حملہ کامیاب رہے گا۔ برطانوی حکام نے کرنل کچنر کو اس حملے کی مشروط اجازت دی۔ اسے باقاعدہ افواج میں سے افراد لینے کی ممانعت کی گئی اور یہ کہا گیا کہ مقامی پولیس یا دوسرے مقامی حلیفوں میں سے مسلح افراد کی مدد سے یہ کارروائی کی جائے یہ احتیاط اس لئے کی گئی تھی کہ کہیں شکست کی صورت میں مجاہدین یہ نہ کہہ سکیں کہ انہوں نے برطانوی افواج کو ایک اور شکست دی۔ حقیقت یہ ہے کہ برطانوی حکومت عثمان دقنہ سے خائف تھی۔ مہدی سوڈانیؒ کے ہاتھوں جنرل گارڈن کا جو حشر ہوا اور جس طرح برطانوی افواج کو منہ کی کھانی پڑی تھی۔ اس کی یاد ابھی تازہ تھی۔ عثمان دقنہؒ نے بھی

اس سے پہلے برطانوی افواج کو عبرت ناک شکستوں سے دوچار کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ برطانوی حکومت براہِ راست ٹکرّ لینے کے حق میں نہ تھی۔

عثمان دقنہؒ کی گرفتاری کی کوشش

۱۶-۱۷ جنوری کی درمیانی شب ایک بجے کے لگ بھگ ۴۵۰ سپاہیوں پر مشتمل ایک پارٹی ہندوب کی طرف روانہ ہوئی۔ ان میں کچھ ایسے مقامی افراد بھی شامل تھے، جو عثمان دقنہؒ کی جائے رہائش سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ ان سے کہا گیا تھا کہ وہ عثمان دقنہؒ کے خیمے میں گھس کر انہیں زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کریں۔ طلوعِ آفتاب سے کافی پہلے کچنر نے اپنے سواروں کو ایک جگہ اکٹھا کیا تاکہ کہیں مجاہدین اونٹوں کی آواز سے خبردار نہ ہو جائیں۔ کیپٹن بک مین کو پیادہ سپاہیوں، پولیس اور مقامی افراد کے ساتھ آگے بھیجا۔ سواروں کو لڑائی شروع ہوتے ہی مدد کے لیے پہنچنے کا حکم دیا گیا۔

پیادہ سپاہی خیموں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ مجاہدین فجر کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ان پر حملہ کر دیا گیا۔ مقامی افراد سیدھے عثمان دقنہؒ کے خیمے کی طرف بڑھے جو نماز سے فارغ ہی ہوئے تھے۔ ان کا گھوڑا ان افراد کے قبضے میں آگیا، لیکن عثمان دقنہؒ بجلی کی سی سرعت کے ساتھ قریب ہی موجود ایک اونٹ پر سوار ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گئے۔

کچنر زخمی ہو گیا

مجاہدین نے اب حملہ آوروں پر جوابی حملہ کر دیا۔ کچنر بھی لڑائی کے موقع پر آن پہنچا، لیکن مجاہدین نے اس بے جگری کے ساتھ مقابلہ کیا کہ کچنر کے ساتھیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ خود کچنر اس حملے میں شدید زخمی ہو گیا۔ اسے جبڑے پر گولی لگی۔

مجاہدین نے بھاگتے ہوئے برطانوی سپاہیوں کا چھ میل تک تعاقب کیا۔ اس لڑائی میں ۱۶ سپاہی مارے گئے اور ۳ افسر اور ۱۹ سپاہی زخمی ہوئے۔ زخمی ہونے والے سپاہیوں میں دسویں بٹالین کے سپاہی بھی تھے، کچنر کا خیال تھا کہ اُس کی موجودگی مخفی رہے گی، لیکن اس کے زخمی ہو جانے کی وجہ سے قاہرہ بھجوائی جانیوالی رپورٹ میں ان کا ذکر لانا پڑا۔ اس طرح کچنر کے احکامات کی خلاف ورزی، یعنی باقاعدہ افواج کے استعمال کے باوجود شکست برطانوی ساکھ کے لیے خاصی مضر ثابت ہوئی۔ خود کچنر کا شدید زخمی ہو جانا اور قاہرہ واپس بھیجا جانا معمولی بات نہ تھی۔ کچنر قاہرہ قیام کے دوران موت کے منہ میں جاتے جاتے بچا۔ گولی اس کے منہ سے نکالی نہ جا سکی تھی۔ ایک رات گولی اس کے منہ میں جا پھنسی اور وہ بڑی مشکل سے اُسے نگلنے میں کامیاب ہوا ورنہ گلا گھٹ جانے سے مر جاتا۔ کچھ عرصے بعد جب وہ صحت یاب ہوا، تو اُسے مصر میں مقیم مصری فوج کا اسسٹنٹ ایجوٹنٹ جنرل بنا دیا گیا تھا، لیکن وہ واپس سواکن نہ آیا۔ اب اس کی جگہ میجر رنڈل کو بھجوا دیا گیا۔

سواکن پر حملہ

کچنر کے حملے کی ناکامی کی وجہ سے مجاہدین کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اب انہوں نے سواکن کے محاصرے کو شدید تر کر دیا۔ محاصرے کا دائرہ مزید تنگ ہوتا گیا حتیٰ کہ مجاہدین سواکن کے صدر دروازے سے ۵۰۰ گز کے فاصلے پر پہنچ گئے۔

۳۰ مارچ کو انہیں پسپا کرنے کی کوشش کی گئی، تو مجاہدین نے حملہ کر دیا۔ جس میں کرنل ٹاپ کے علاوہ سات افراد مارے گئے، سترہ زخمی ہوئے اور کئی مقامی افراد بھی جو برطانوی افواج کی مدد کر رہے تھے، حملے میں ہلاک یا زخمی ہوئے۔

اگلے چند ماہ کے دوران میں عثمان دقنہؒ اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کی تیاریوں میں مصروف رہے۔ انہوں نے مقامی قبائل سے گفت و شنید کی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ افراد جو کبھی کسی طاقت کے غلام نہ رہے تھے اور جو آزادانہ فضا میں زندگی گزارتے رہے تھے، کسی نظم و ضبط کے پابند بننے کے عادی نہ تھے، انہیں ایک باقاعدہ منظم فوج میں تبدیل کرنا ہر اعتبار سے کسی کرامت سے کم نہ تھا۔ عثمان دقنہؒ کی قیادت کی داد دینی چاہیئے کہ انہوں نے ان افراد میں تنظیم اور حکام کی اطاعت کرنے کا جذبہ پیدا کیا اور انہیں اپنے دور کی منظم ترین افواج کے مقابلے میں فتح مند اور کامران بنایا۔

معاشی صورت حال

جنگ کے طوالت اختیار کر جانے کی وجہ سے عوام کی معاشی حالت خستہ ہو رہی تھی۔ کاشت کاری ہو یا بھیڑ بکریاں چرانے کا کام یہ سب زمانۂ امن ہی میں ہو سکتے تھے۔ مسلسل جنگ نے لوگوں کو معاش کی طرف توجہ دینے کے قابل نہ چھوڑا تھا۔ مالِ غنیمت بھی میسر نہ ہو رہا تھا۔ پھر کھانے پینے کی اشیاء بھی سخت کمیاب تھیں۔

مارچ میں مصطفٰے ہدل کی قیادت میں سامانِ رسد پہنچا اور اس طرح کسی حد تک حالات بہتر ہو گئے۔ اسی طرح امیر ابو گرکہ کی قیادت میں بگارا اور جالن قبیلے کے افراد بھی شامل ہو گئے۔ اگلے دو تین ماہ کے دوران میں کوئی شدید نوع کا معرکہ پیش نہ آیا۔ چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ خلیفہ نے خوراک کی صورت حال کے پیشِ نظر یہ احکامات دیئے کہ ہر قسم کی جارحانہ کارروائیوں سے اجتناب کیا جائے اور سامان رسد کی فراہمی پر زیادہ سے زیادہ توجہ دی جائے۔

انگریزوں کا انخلاء

۵ دسمبر کو عثمان دقنہؒ نے سرداروں کی مجلس مشاورت میں یہ فیصلہ کیا کہ سواکن پر حملہ کرنے کی ایک اور کوشش کی جائے، چنانچہ خندقیں کھودی گئیں اور کچھ توپوں سے شہر پر گولہ باری شروع کر دی گئی۔ ۷ دسمبر کو عثمان دقنہؒ کے نائب کی کمان میں شاطا اور قمیزا کے قلعوں کے سامنے والی جگہ پر اچانک قبضہ کر لیا اور وہاں سے اکا دُکا گولیاں برسائی جانے لگیں۔ ان دو قلعوں کی درمیانی جگہ پر قبضے سے شہر سواکن کی دفاعی صورتِ حال کافی نازک ہو گئی۔ شہر کے اردگرد انگریزوں کے حلیف افراد کے لئے پانی فراہم کرنے کا واحد راستہ ان قلعوں سے ہو کر جاتا تھا۔ ان دونوں قلعوں کی کمان انگریز افسروں کے ہاتھ میں تھی۔ ان افسروں کو وہاں سے نکالنے کے لئے سخت جدوجہد کرنی پڑی۔ رات کے وقت ایک گھوڑا تیز رفتاری کے ساتھ بھاگتا ہوا قلعوں تک پہنچتا، پھر قلعے کی دیوار سے ایک ٹوکری نیچے اترتی، اس میں انگریز افسر ہوتا جو گھوڑے پر بیٹھتا اور مجاہدین کی گولیوں کی زد سے بچتا ہوا سواکن جا پہنچتا۔ تاہم یہ کارروائی حد درجہ احتیاط ہی ممکن ہوتی۔

مجاہدین قلعے کے نزدیک جھاڑیوں کو آگ لگا دیتے تھے۔ آگ کے لپکتے ہوئے شعلوں سے قلعے کی دیوار تاریک رات میں بھی صاف دکھائی دیتی اور اس طرح کسی شخص کے قلعے سے نکلنے کا امکان ختم ہو جاتا۔ یہ شعلے مجاہدین کے لئے سرچ لائٹ کا کام دیتے۔

برطانوی کمک

سواکن پر حملے کے پیشِ نظر قاہرہ میں مقیم انگریز حکام نے فوجی کمک بھجوانے کا فیصلہ کر لیا۔ کچھ ہی عرصے بعد ۱،۷۵۰ انگریز

سپاہی، ۲ ہزار مصری، ۲ ہزار سوڈانی اور سوار دستے جنرل گرن فل کی کمان میں سواکن میں اکٹھے کر دیئے گئے، ان کے علاوہ ویلشس رجمنٹ کی پہلی بٹالین اور بیسویں حصار کا ایک سوار دستہ بھی شامل ہو گئے۔

۱۸ دسمبر کو توپ خانے اور بحریہ کی توپوں کی مسلسل گولہ باری کے بعد برطانوی فوج مجاہدین کی خندقوں پر حملہ آور ہوئی۔ اس حملے میں دو بریگیڈ شریک تھے جن میں سے ایک کی قیادت کرنل کچنر اور دوسرے کی کمان لیفٹیننٹ کرنل سمتھ کر رہا تھا۔ مسلسل گولہ باری سے مجاہدین کا خاصا نقصان ہوا؛ چنانچہ انہوں نے پسپائی اختیار کی۔ اس میں شک نہیں کہ برطانوی فوج کو فتح حاصل ہوئی، لیکن عثمان دقنہ نے برطانوی افواج کو یہ موقع نہ دیا کہ وہ اس فوجی فتح کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کر سکیں۔ انہوں نے رجاف کے مقام پر حاصل کردہ مالِ غنیمت کا خاصا حصّہ برطانوی سپہ سالار کو بھجوا دیا، تاکہ یہ ظاہر ہو کہ انہیں شکست نہیں ہوئی، کوئی سمجھوتہ ہوا ہے۔

جلشہ کی ایک اور شکست

جنوری ۱۸۸۹ء میں جلشہ کی افواج نے گوندر کے مقام پر شکست کا بدلہ لینے کے لئے ۸۰ ہزار کا لشکر اکٹھا کر کے متاما کو گھیرے میں لے لیا جہاں ذکی تمال اپنے ۶۰ ہزار مجاہدین کے ہمراہ مقیم تھے۔ جلشہ کے لشکر کا کچھ حصّہ متاما کی حفاظتی حد بندیوں کو عبور کر چکا تھا اور مجاہدین شدید خطرے سے دوچار تھے؛ تاہم ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے جنگ کا نقشہ بدل دیا۔

جلشہ کے بادشاہ جان کے ذاتی محافظوں نے لڑائی میں کوئی حصّہ نہ لیا تھا۔ اب جب کہ فتح یقینی نظر آ رہی تھی، جان نے انہیں آگے بڑھنے کے احکامات

صادر کر دیئے۔ ان کا حوصلہ بڑھانے کے لئے جان خود آگے بڑھا اور اسی اثنار میں جان اور اس کے زرق برق لباس میں ملبوس ساتھیوں پر مجاہدین کی نظر پڑ گئی اور انہوں نے اپنی بندوقوں کا رُخ ان کی جانب پھیر دیا۔ جان کو ایک گولی لگی اور وہ شدید زخمی ہو گیا۔ مجاہدین کے حملے کی تاب نہ لاتے ہوئے حبشہ کی افواج منتشر ہو گئیں۔ جان کی موت نے رہی سہی کسر پوری کر دی اور مجاہدین کو عظیم فتح نصیب ہوئی۔ یہ واقعہ ۹ مارچ کو پیش آیا۔

مجاہدین کی مکمل فتح

جنوری کے اواخر تک برطانوی افواج سواکن سے پسپا ہو چکی تھیں۔ ہر چند کہ کسی حد تک چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوتی رہیں، لیکن کوئی بڑی لڑائی پیش نہ آئی۔ اس دوران میں مجاہدین کی قوت بہت بڑھ چکی تھی۔ سوڈان کے طول و عرض میں جہاد کا عَلم لہرا رہا تھا اور خلیفہ سوڈان کی سب سے بڑی سیاسی قوت تھا۔ دارفور میں ابو غمیزہ کی بغاوت کچل دی گئی تھی اور اس کے سرغنہ کو ہلاک کیا جا چکا تھا۔ حبشہ کی فوجی قوت مسمار ہو چکی تھی۔ اندرونی محاذ بھی ہر طرح کی خلفشار سے پاک ہو چکا تھا۔ شمال کی جانب سے کسی دشمن کا اندیشہ نہ تھا۔ اسی طرح سواکن میں موجود برطانوی افواج کی جانب سے بھی کوئی حقیقی خطرہ نہ تھا۔ ان کی حیثیت ایک طرح محصور افواج کی سی تھی اور وہ اپنی اس صورتِ حال سے پریشان ہونے کے سوا کچھ کر سکنے پر قادر نہ تھیں۔

حلائب پر حملہ

عثمان دقنہؒ نے سواکن کا محاصرہ اٹھا لینے اور ٹوکر کی جانب منتقل ہو کر تجارت کا سلسلہ کھولنے کے لئے خلیفہ سے درخواست کی جو منظور کر لی گئی۔ ۱۱ فروری کو انہوں نے کیمپ ہٹا کر ہندوب سے

ٹوکر کی جانب سفر اختیار کیا۔ اب مجاہدین کی فوج کا ہیڈ کوارٹر ٹوکر بنا لیا گیا تھا۔ اگرچہ سوڈان میں قحط کی سی صورتِ حال پیدا ہو چکی تھی، تاہم ٹوکر میں فصل نسبتاً بہتر ہوئی تھی۔ اس لئے بھی یہ ضروری تھا کہ اس جگہ کے استحکامات کی طرف خصوصی توجہ دی جائے۔ اگر مقامی قبائل برطانوی افواج کے ساتھ جا ملتے تو صورتِ حال بگڑ سکتی تھی۔ آنے والے دن عام طور سے امن چین سے گزرے۔

برطانوی فوج اس پوزیشن میں نہ تھی کہ از خود کسی قسم کا حملہ کر سکتی۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر مجاہدین نے ۱۹ اپریل کو حلائب کی اہم فوجی چوکی پر حملہ کر دیا۔ جہاں موجود ۲۷ پولیس والے چوکی چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ان میں سے دو مارے گئے اور پانچ زخمی ہوئے، تاہم مجاہدین یہاں اپنا قبضہ برقرار نہ رکھ سکے، کیونکہ قریب ہی بندرگاہ میں برطانوی جہاز (عجمی) نے گولہ باری شروع کر دی تھی۔ کچھ دن بعد کرنل ہلڈ سمتھ نے دوبارہ چوکی قائم کی اور اس کے گرد اگرد حصار قائم کر کے یہاں پچاس افراد متعین کر دیئے۔

کچنر کی کوششیں

برطانوی حکومت یہ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ مشرقی سوڈان میں اس کی سیاسی اور فوجی طاقت نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسی لئے کچنر نے یہ کوشش کی کہ وہ قبائل میں روپیہ تقسیم کر کے انہیں اپنے ساتھ ملا لے اور اس میں اسے کسی حد تک کامیابی بھی ہوئی، لیکن مجموعی طور پر وہ مشرقی سوڈان میں گڑبڑ کروانے میں ناکام رہا۔

برطانیہ بے دخلی

اس سال کے دوران میں برطانوی حکومت سوڈان سے عملی طور پر بالکل بے دخل ہو چکی تھی۔ برطانوی مدبرین اور

جرنیلوں کی بزدلی کا اندازہ اس دلچسپ فقرے سے لگایا جا سکتا تھا جو لارڈ سالسبری نے سر بارنگ کے نام ایک خط میں لکھا تھا۔ اگر انہیں کھلی چھٹی دی جائے، تو وہ یہ کہیں گے کہ چاند پر مضبوط قلعہ بندی کی جائے تاکہ کہیں مریخ سے کوئی حملہ آور نہ آجائے۔"

بات یہ تھی کہ سواکن کو بچانے کے لئے یہ مشورہ دیا جا رہا تھا کہ ٹوکر یا اس سے بھی پرے کسی جگہ پر قبضہ کیا جائے۔ لارڈ سالسبری کا یہ فقرہ اس وقت کی مشرقی سوڈان کی صورتِ حال پر صحیح طور پر چسپاں ہوتا تھا۔ بالآخر برطانوی حکومت نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر ٹوکر پر حملے کے نتیجے میں زیادہ نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو حملہ کر دیا جائے۔ کمک سواکن پہنچائی جانے لگی اور ٹوکر کے ساتھ ہر نوع کے تجارتی تعلقات ختم کر دیئے گئے۔ ٹوکر کو پہنچنے والی رسد کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ سواکن میں ہیضہ کی وبا پھوٹ پڑی جس کے نتیجے میں باہر سے آمد و رفت پر پابندی لگا دی گئی۔ مجاہدین کو بجا طور پر یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ جنگ کی تیاریاں کی جا رہی ہیں، چنانچہ انہوں نے بھی مقابلے کے لئے انتظامات شروع کر دیئے۔

ہندوب پر قبضہ

کرنل ہالڈ سمتھ نے جو سواکن میں برطانوی افواج کی کمان کر رہا تھا، ٹوکر پر حملے کی اجازت مانگی اور ابتدائی طور پر سواکن کے گرد و پیش چھوٹی چھوٹی چوکیوں پر حملے شروع کر دیئے۔ ۲۷ جنوری ۱۸۹۱ء کو کرنل ہالڈ سمتھ نے ۱۵۰ افراد کے ساتھ ہندوب پر قبضہ کر لیا۔ کہیں کہیں انگریزوں کو اور کامیابیاں بھی نصیب ہوئیں جن میں سے ایک عثمان دقنہؒ کے ذاتی علم کا ہاتھ لگنا تھا۔ عثمان دقنہؒ نے اسے بد شگونی سمجھا اور عجیب بات یہ ہے کہ انہیں اس کے بعد ہزیمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ کئی برسوں کے بعد سواکن مجاہدین کے ہاتھوں سے نکلا۔ عام طور پر یہ خیال

کیا جا رہا تھا کہ اگر ٹوکر پر حملہ کر دیا گیا، تو مقامی افراد انگریزوں کا اس صورت میں ساتھ دیں گے کہ وہ حسبِ سابق انہیں مجاہدین کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ نہ جائیں۔

کرنل ہالڈ سمتھ ۸ فروری کو سواکن سے چل پڑا اور تین دن بعد شدید مزاحمت کے بعد ترنکیتاٹ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس اثنا میں عثمان دقنہؒ انگریز افواج کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ ہندوب کی جانب روانہ ہو چکے تھے۔ اس جگہ انگریز افواج بہت کم تعداد میں تھیں اس لئے عثمان دقنہؒ نے اس پر حملہ کرنے منصوبہ بنایا تھا۔ اسی دوران میں انہیں ٹوکر سے داد ولا ہر مخضوب کی جانب سے فوری امداد کی درخواست موصول ہوئی۔ اس نے لکھا تھا کہ انگریز اور مصری افواج اس کی جانب بڑھ رہی ہیں۔ اس وقت ٹوکر میں صرف پانچ سو مجاہدین موجود تھے، چنانچہ عثمان دقنہؒ نے ہندوب پر دوبارہ قبضہ کرنے کے منصوبے کو ملتوی کرتے ہوئے فوری طور پر اپنے ہیڈ کوارٹر کو بچانے کے لئے ٹوکر کا رُخ کیا۔

ٹوکر پر حملے کی تیاری

قاہرہ میں مقیم انگریز افواج کے ہیڈ کوارٹر میں ٹوکر پر حملے کے ارادے کی اطلاع کو تشویش کی نظر سے دیکھا جا رہا تھا۔ جنرل گرین فل کا خیال تھا کہ اگر محاذِ جنگ پر بڑے پیمانے کی کارروائیاں شروع ہوئیں تو وہ بذاتِ خود وہاں جا کر کمان سنبھال لے گا۔ مشرقی سوڈان میں انگریزوں کو خاصے خطرے کا سامنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شعبۂ سراغ رسانی کے میجر ونگیٹ کو کرنل سٹیل کے ہمراہ بھیجا گیا۔ ان دونوں کو صورتِ حال جائزہ لے کر رپورٹ بھجوانا

تھی۔ سواکن پہنچنے پر ان کی حیرانی کی انتہا نہ رہی جب انہیں معلوم ہوا کہ مہم تو پہلے ہی ٹوکر روانہ ہو چکی ہے۔ وہ بڑی مشکل سے ترنکیٹاٹ پہنچے۔ کرنل ہالڈ سمتھ صبح اپنی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دے چکا تھا۔

انگریز کمانڈر نرغے میں

دوسری طرف عثمان دقنہ نے مقابلے کے لئے تیاریاں کر رکھی تھیں۔ میجر ونگیٹ نے پہنچتے ہی جاسوسوں کے ذریعے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ تفتیش کرنے پر پتہ چلا کہ عثمان دقنہ نے ٹوکر کے علاوہ افافیت کے مقام پر ۶ ہزار مجاہدین کو کرنل ہالڈ سمتھ پر حملے کے لئے اکٹھا کر رکھا ہے۔ انگریزوں کو تشویش ناک صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ان کا ایک چھوٹا سا گروپ دیکھ بھال کے لئے ٹوکر اور افافیت کے درمیانی علاقے کی جانب بڑھا۔ اس گروپ کے ساتھ میجر ونگیٹ گیا تھا۔ جب وہ ٹوکر کے قدیم کھنڈرات کے قریب پہنچا تو اسے حالات کی سنگینی کا احساس ہوا۔

اس وقت مجاہدین انگریز افواج سے صرف ایک میل کے فاصلے پر مقیم تھے جب کہ انگریز افواج کو سرے سے اس بات کا علم تک نہ تھا۔ کمانڈر اپنے سٹاف کے ہمراہ کھنڈرات کے اوپر چڑھ کر اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا، اور اسے دُور دُور تک امن چین نظر آ رہا تھا۔ وہ کھنڈرات سے مطمئن ہو کر نیچے اُتر ہی رہا تھا کہ صرف پندرہ سو گز کے فاصلے پر مجاہدین کے لہراتے ہوئے جھنڈوں اور چمکتے ہوئے نیزوں نے انہیں آن لیا۔ یہ سب کچھ اس قدر آناً فاناً ہوا کہ انگریز کمانڈر کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ مجاہدین نے چاروں جانب سے انگریز افواج کو گھیرے میں لے لیا اور ان کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ مجاہدین موج در موج

بڑھتے چلے آرہے تھے اور انگریز فوجیں اس طوفان میں گھر چکی تھیں؛ تاہم اس دوران میں برطانوی توپ خانہ جو کچھ فاصلے پر تھا، حرکت میں آگیا۔ توپوں کی گھن گرج میدانِ جنگ میں گونج رہی تھی لیکن اتنا میں انگریز بھی کسی حد تک سنبھل چکے تھے؛ چنانچہ مجاہدین کو پیچھے ہٹ کر ریت کے ٹیلوں پر اپنی پوزیشن مستحکم کرنا پڑی۔

اب ایک اور لڑائی لڑنے کی تیاریاں ہونے لگیں جس میں انگریزوں کی شکست یقینی تھی، کیوں کہ ان کے حوصلے پست ہو چکے تھے، لیکن ایک بار پھر برطانوی توپ خانہ ان افواج کی مدد کے لئے گولے برسانے لگا۔ مجاہدین گولہ باری کی زد میں آچکے تھے۔ اس لئے انہوں نے فوری طور پر پسپائی اختیار کر کے محفوظ مقامات کی راہ لی۔

عثمان دقنہؒ کا نیا مرکز

عثمان دقنہؒ اپنے ساتھیوں ادارمہ پہنچ گئے جو اس جنگ کے بعد ان کا ہیڈ کوارٹر قرار پایا۔ وہ آئندہ تین سال تک اسی جگہ مقیم رہے۔ ان برسوں میں نسبتاً امن چین رہا اور کوئی خاص اہم واقعہ پیش نہ آیا۔

عثمان دقنہؒ نے اپنے نئے مرکز کا انتخاب خلیفہ کی اس ہدایت کو پیشِ نظر رکھ کر کیا تھا کہ انہیں ایسی جگہ قیام کرنا چاہیئے جہاں سے وہ ایک طرف مغرب کی جانب سے کسی حملے کے خلاف کارروائی کر سکیں، تو دوسری جانب بحر احمر کے محاذ کو بھی محفوظ رکھ سکیں، کیونکہ سپلائی کا زیادہ انحصار اسی سمت سے آنے والی رسد پر تھا؛ چنانچہ عثمان دقنہؒ نے ادارمہ کا انتخاب اسی نقطۂ نظر سے کیا تھا۔

یہ جگہ نیل اور اتبارہ کے مقامِ اتصال سے ۷۵ میل جنوب مشرق کی جانب

واقع تھی۔

عثمان دقنہ خلیفہ سے ملاقات کے لئے ام درمان گئے۔ خلیفہ نے انہیں شاندار اور حوصلہ مند قیادت پر مبارک باد دی اور ان کی حالیہ ناکامی پر اظہارِ افسوس کیا۔ ساتھ ہی انہیں فتح و کامرانی کی دعائیں دیں۔ ہرچند کہ انگریزی فوج ہر طرف سے تنگ کرتی آرہی تھی، پھر بھی انہیں بجا طور پر یہ توقع تھی کہ وہ انہیں عبرت ناک شکست سے دوچار کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

عثمان دقنہ ایک بار پھر اپنی بے پناہ انتظامی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نئے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیاری کرنے لگے۔ واپسی پر ان کے ہمراہ غلے سے بھری ہوئی تیس کشتیاں تھیں۔ وہ داخلہ تک دریائی راستے سے آئے۔ داخلہ کے مقام پر اُتر کر انہوں نے یہ اونٹوں کے ذریعے ادارمہ غلہ پہنچانے کا انتظام کیا۔ اس جگہ کی حیثیت ہیڈ کوارٹر اور اہم دفاعی مورچے کی سی تھی اور اسے ہر اعتبار سے مضبوط بنانے کے لئے وہاں سامانِ رسد کا وافر مقدار میں ہونا ضروری تھا۔ یہاں مٹی کی کچھ عمارتیں بنائی گئیں۔ ایک بڑی مسجد تعمیر کی گئی اور رہائش کے لئے گھر بنائے گئے، گویا صحرا میں ایک نئی آبادی بس گئی۔

گرد و نواح کے علاقے کے انتظامی امور کو بہتر بنانے کیلئے ڈاک کا نظام جاری کیا گیا۔ قابلِ اعتماد ہرکارے مقرر کئے گئے۔ ساتھ ہی مقامی عمّال کا تقرر عمل میں آیا۔ انہیں ناظر اور شیخ کی بجائے 'عامل' کہا جاتا تھا۔ انہیں مقامی مسائل حل کرنے کے لئے اختیارات عطا کئے گئے۔ زکوٰۃ اور عشر وصول کرنے کے اختیارات بھی دیئے گئے۔ اس طرح انتظامی اور مالی امور کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔

شہری قوانین کا اجراء

وہ علاقے جہاں صدیوں سے اس نوع کا کوئی نظام موجود نہ تھا پہلی بار شرعی قوانین کے اجراء اور انتظامی خوش اسلوبی کے طریقِ کار سے روشناس ہوئے۔ خاصے طویل عرصے کے جہاد کے بعد نسبتاً پرامن ماحول نصیب ہوا تھا۔ عثمان دقنہ؟ چاہتے تھے کہ وہ کچھ عرصہ تیاری کر کے دوبارہ جہاد کے لئے کمربستہ ہوں۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ معاشی اعتبار سے کسی حد تک اطمینان حاصل ہو اور پوری تیاری کے بعد دوبارہ میدانِ کارزار میں اتریں۔ جنگی حکمت عملی کے نقطۂ نظر سے اور اس وقت کے حالات کے پیشِ نظر ان کا یہ اقدام غلط نہ تھا۔ ان کے ساتھی طویل عرصہ تک جہاد کرتے رہے تھے۔ اس عرصے میں نہ تو کھیتی باڑی کا کام ہو سکا تھا، نہ ہی بھیڑ بکریاں پالنے کی طرف توجہ دی جا سکی تھی جس کے نتیجہ میں اجتماعی معیشت خستہ حالی کا شکار تھی۔ مسلسل جنگ نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔ پھر کچھ عرصے سے مالِ غنیمت بھی حاصل نہ ہو سکا تھا۔ کچھ عرصے کے امن چین سے انہیں سانس لینے کا موقع مل سکتا تھا اور وہ دوبارہ تیاری کرنے اور نبرد آزما ہونے کے قابل ہو سکتے تھے۔

عہدوں پر تقرر

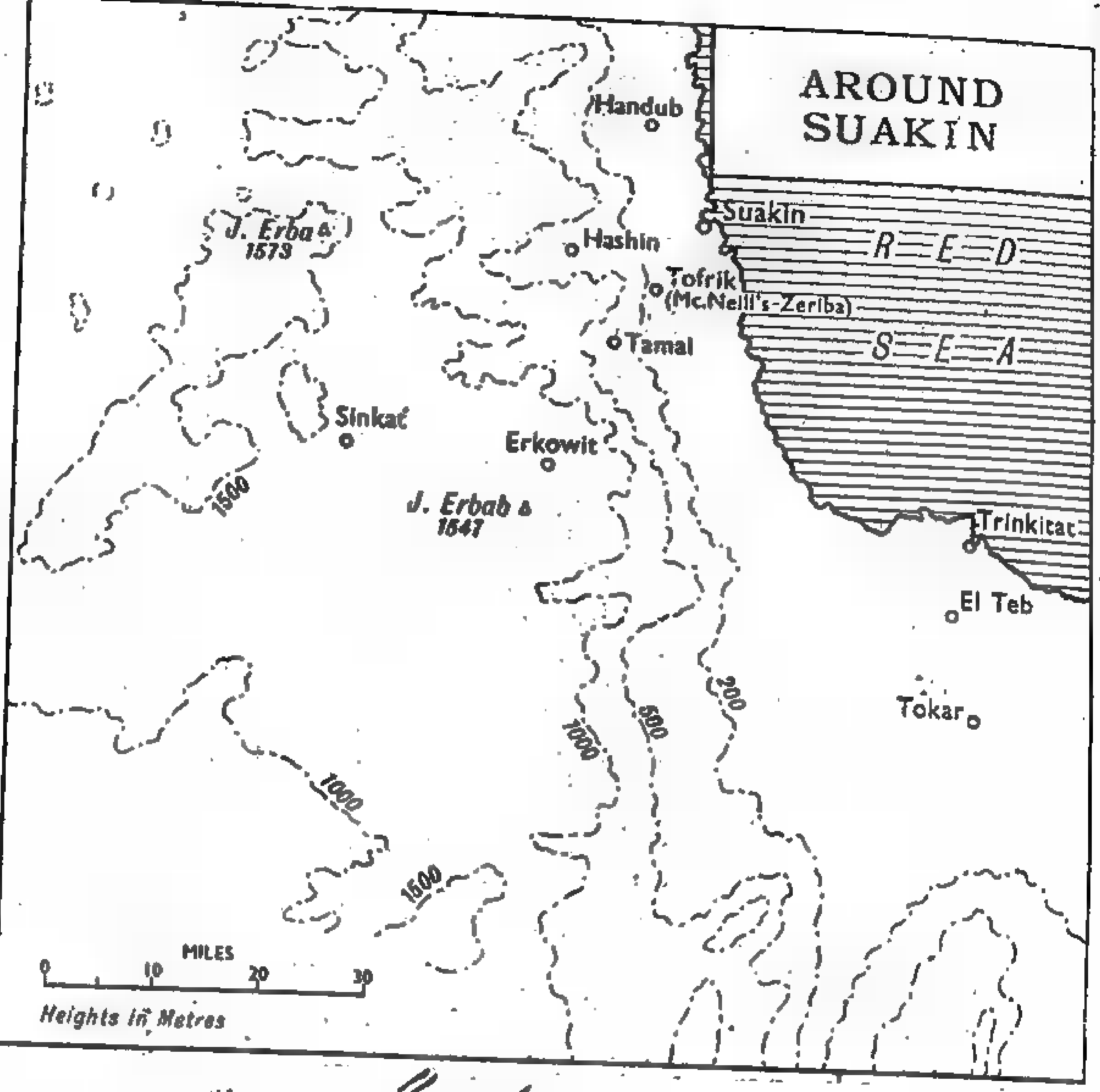
عثمان دقنہ؟ نے عمال کا تقرر کرتے وقت مقامی سیاسی صورتِ حال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہدندوا قبیلے کے افراد کو زیادہ تر عہدے دیئے تھے اور اپنے عزیزوں کو ترجیح نہ دی تھی۔ ان کے رشتہ دار خلیفہ کے پاس شکایت لے کر گئے کہ انہوں نے ہمیں ہمارے حقوق سے محروم کیا ہے، جس پر خلیفہ نے انہیں اس جانب توجہ دلائی کہ اپنے عزیزوں میں سے بھی ممتاز افراد کو عہدے دیئے جائیں۔ اس پر عثمان دقنہ؟ نے مشرقی

سوڈان کے کچھ اہم مقامات پر ان کا تعین کیا۔ آئندہ دو تین برس تک امن کی کیفیت رہی۔ یہ صورتِ حال عثمان دقنہ اور مجاہدین کے حق میں مفید تھی۔ اس عرصے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے تحریکِ مجاہدین کی معاشی صورت حال خاصی بہتر بنا دی تھی۔

عثمان دقنہ کے نام کی دہشت

عثمان نے دو تین بار ٹوکر کے علاقے میں چھاپہ مار جماعتیں بھیجیں اور دشمن کو بھاری جانی نقصان پہنچایا۔ تاہم اس اثنا میں برطانوی حکومت نے اپنی حکمتِ عملی تبدیل کر دی تھی۔ اس نے اب براہِ راست مقابلے کی بجائے اپنے زر خرید ایجنٹوں کے ذریعے عثمان دقنہ کو زک پہنچانے کی کوشش کی۔ ارکووٹ علاقے کا سردار شیخ عمر طیطا انگریزوں کا آلہ کار بن گیا۔ یہ کچھ عرصے تک عثمان دقنہ اور اس کے ساتھیوں سے لڑتا رہا۔ اگرچہ اس کو نمایاں کامیابی نصیب نہ ہو سکی، لیکن برطانوی روپیہ کے زور سے وہ انگریزوں کی جگہ جنگ آزما رہا۔

یہ لڑائیاں ارکووٹ کے علاقے تک محدود رہیں اور ان کا دائرہ اس سے زیادہ نہ پھیل سکا۔ اگرچہ عثمان دقنہ باقاعدہ جہاد میں تین برس سے شریک نہ ہوئے تھے۔ پھر بھی ان کے نام کی دہشت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بار ان کے حملے کی افواہ سن کر ہی مصری سوار سواکن کی جانب دُم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ پورے سواکن میں بھگدڑ مچ گئی اور اگر عین وقت پر ایک سرکاری رجمنٹ وہاں نہ پہنچ جاتی، تو پورے سواکن کا ہتھیار ڈال دینا یقینی ہو گیا تھا۔ مجاہدین ان کے تعاقب میں سواکن تک جا پہنچے۔ وہاں ایک لڑائی میں



سواکن اور اس کے اردگرد کا علاقہ

انہیں نقصان اٹھا کر واپس ہونا پڑا۔ پھر بھی ان کی ہیبت دلوں پر چھائی ہوئی تھی



باب ہشتم

آخری معرکہ

برطانوی حملے کا نیا منصوبہ

۱۸۹۶ء کے اوائل میں برطانوی حکومت نے سوڈان کو فتح کرنے کا منصوبہ بنا اور اس مقصد کے لئے ۸ لاکھ پاؤنڈ کی رقم کی منظوری دے دی۔ گذشتہ ۱۴ سال کے عرصے میں مصری کو تربیت دی گئی تھی، برطانوی افواج بھی اس علاقے کے نشیب وفراز سے واقف ہو چکی تھیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ مختلف انگریز جاسوسوں نے پورے علاقے کا بخوبی جائزہ لے مقامات، قبائل اور صورتِ حال کا ٹھیک ٹھیک نقشہ انگریز کمانڈروں تک پہنچا دیا تھا۔ مقامی قبائل میں سے بھی روپے پیسے کے بل بوتے پر کچھ اہم افراد خریدے جا چکے تھے۔ پھر ذرائع نقل وحمل کی طرف پوری توجہ دی گئی تھی۔ الغرض ۱۸۸۲ء کی عبرت ناک شکستوں کے بعد سے اب تک سوڈان کی صورتِ حال میں نمایاں تبدیلی آچکی تھی۔ برطانوی حکومت گارڈن کے قتل (۱۸۸۵ء) کا بدلہ لینے پر تلی ہوئی تھی اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایک طویل عرصے تک منصوبہ بندی کرتی رہی تھی۔

۱۸۹۶ء کے وسط تک نیل کے ساتھ ساتھ ریل کی پٹڑی وادیٔ حلفہ سے اکاشہ تک پہنچ گئی تھی۔ ستمبر کے آخری ہفتے میں ڈنگولہ پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ اگلے گیارہ ماہ کے دوران میں وادیٔ حلفہ کو ابو حماد سے جدا کرنے

والے صحرا میں دن رات کام ہوتا رہا تھا۔ ریلوے لائن آہستہ آہستہ مجاہدین کے مرکز کے نزدیک پہنچتی جا رہی تھی۔

عثمان دقنہؒ کی کامیاب پسپائی

۸۔ اگست ۱۸۹۷ء کو ابو حماد پر برطانوی افواج کا قبضہ ہو گیا تھا اور ۳۱۔ اکتوبر کو بربر کے قبضے کے بعد ریلوے لائن دریا کے کنارے تک جا پہنچی تھی۔ عثمان دقنہؒ ادارمہ میں مقیم رہے اور یہیں سے مختلف چھاپہ مار جماعتوں کو مختلف سمتوں میں بھجواتے رہے بربر پر برطانوی قبضے کے کچھ ہی عرصے بعد ایک دن انگریزوں کو یہ اطلاع ملی کہ عثمان دقنہؒ ۵ ہزار سواروں کے ہمراہ ادارمہ میں موجود ہیں اور کسی جانب حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔

جنرل ہنٹر نے اس موقع کو غنیمت جان کر ادارمہ کی جانب پیش قدمی کی، لیکن عثمان دقنہؒ کو وقت پر اطلاع مل گئی اور وہ دشمن کو حملے کا موقع دیئے بغیر کامیابی سے پسپا ہو گئے۔ جنرل ہنٹر کو ناکام و نامراد واپس لوٹنا پڑا۔ اور فیصلہ کن جنگ کے لئے اس کی حسرت دل کی دل ہی میں رہی۔

کچھ ہی عرصے بعد خلیفہ نے عثمان دقنہؒ کو ام درمان بلوا بھیجا۔ انہیں یہ احساس ہو گیا تھا کہ آخری مقابلے کی گھڑی قریب ہے۔ اس لئے وہ اپنی تمام تر قوت مجتمع کرنا چاہتے تھے۔ عثمان دقنہؒ کو ام درمان کے بالمقابل دریا کے دوسرے کنارے حلیفہ ملوک کے مقام پر دفاعی پوزیشن مستحکم کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی، چنانچہ انہوں نے موسم سرما کے دوران میں اپنا کیمپ ام درمان کی شمالی جانب خور شمبات کے مقام پر لگا لیا۔

محمود کی کمان

انگریز افواج نے ۲۰ مارچ ۱۸۹۸ء کو نیل کے ساحل کے ساتھ ساتھ بڑھتے ہوئے شیندی پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب بالآخر دریائے اتبارہ کے کنارے جنگ کیلیے میدان ہموار ہو چکا تھا۔

عثمان دقنہؒ ام درمان سے ہٹ کر شبلوکا کی پہاڑیوں کے پاس پہنچ چکے تھے۔ یہاں کی کمان پہلے احمد فاضل کے پاس تھی، انہیں گداریف کے مقام پر بھیج دیا گیا تھا۔ عثمان دقنہؒ ان پہاڑیوں میں دو ماہ لڑتے رہے۔ اس کے بعد انہیں شیندی جا کر محمود کی افواج کے ساتھ جا ملنے کے احکامات ملے۔ برطانوی سپاہ شیندی کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ یہاں بیس دن قیام کے بعد محمود اور عثمان دقنہؒ نے شمال کا رُخ کیا۔ ان افواج کی کمان محمود کے ہاتھ میں تھی۔

عثمان دقنہؒ تجربہ اور جنگی مہارت کے اعتبار سے محمود سے کہیں زیادہ قابل تھے۔ انہیں انگریزوں کے خلاف لڑائی کا وسیع تجربہ تھا، لیکن محمود کے زیرِ کمان ہونے کی وجہ سے ان کی جنگی قابلیت کے جوہر نہ کھل سکتے تھے۔ زیراب کے مقام پر محمود اور عثمان دقنہؒ کے درمیان ایک اہم مسئلے پر اختلاف رائے ہو گیا۔ جب یہ معاملہ خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا، تو انہوں نے عثمان دقنہؒ کے منصوبے کو سراہا اور محمود سے کہا کہ اس پر عمل کرے۔ محمود چاہتا تھا کہ وہ دریائے نیل کے کنارے کنارے چلے جب کہ عثمان دقنہؒ کا خیال یہ تھا کہ اس طرح وہ برطانوی جہازوں کی گولہ باری سے نہ بچ سکیں گے اور لڑائی سے پیشتر ہی ختم ہو جائیں گے۔ اس لیے انہیں دریا سے ہٹ کر چلنا چاہیئے۔ خلیفہ کا فیصلہ آجانے کے بعد اب مجاہدین نخیلہ کی جانب چل پڑے۔ محمود نے دریائے اتبارہ کے کنارے ایک چھوٹے سے نخلستان

میں کیمپ لگایا اور اس کے گرداگرد کانٹوں کا حصار بنانے کی تیاریاں شروع کردیں۔

عثمان دقنہ اور محمود کے اختلافات

عثمان دقنہ اور محمود کے اختلافات قدم قدم پر سامنے آرہے تھے اور اس صورتحال میں جب کہ برطانوی اور مصری افواج تیس میل کے فاصلے پر تھیں یہ اختلافات خوش آئند نہ تھے، لیکن دوسری طرف ان اختلافات کا ہونا فطری امر تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ محمود حالات و واقعات کا جائزہ لے کر صحیح نتائج اخذ کرنے کا اہل نہ تھا۔ اس کی جنگی صلاحیت ان حالات کے پیشِ نظر اس لائق نہ تھی کہ اسے اس قدر اہم ذمہ داری سونپی جاتی۔

عثمان دقنہ جیسے لائق اور مدبر فوجی معاملات کے ماہر سے مستقبل کے خطرات پوشیدہ نہ تھے۔ انہیں نظر آرہا تھا کہ بہت جلد انگریزوں اور مصریوں کی بہت بڑی قوت کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ برتر جنگی چالوں کو کام میں لاکر اپنا دفاع کیا جائے اور دشمن کو شکست سے دوچار کیا جائے۔ اس وقت اگر عثمان دقنہ کے پاس اس فوج کی کمان ہوتی، تو شاید جنگ کا پورا نقشہ ہی بدل جاتا، پھر انہوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ ان مشکلات کو حل کریں، لیکن محمود ان کی کسی بات کو خاطر میں لانے کے لئے تیار نہ تھا۔

عثمان دقنہ نے سب سے پہلے یہ کوشش کی کہ محمود اپنی افواج کو ادارمہ کے مقام پر لے جائے۔ وہاں دشمن کے آگے بڑھنے کی صورت میں اس کی طویل سپلائی لائن (راہِ رسد) کو مسدود کرنے اور اسے نقصان پہنچانے کے مواقع ملنے کا کہیں زیادہ امکان تھا۔ دوسری طرف دشمن اپنی بحری توپوں کی امداد سے محروم ہو جاتا تھا۔ اسے

تین روز کی مسافت طے کرنا پڑتی تھی جس سے دفاعی صلاحیت شدید طور پر متاثر ہوتی تھی اور مجاہدین اس کا فائدہ اٹھا سکتے تھے۔

رسد کی ابتر حالت

اس وقت مجاہدین کی سامانِ رسد کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ بھوک کی شدت سے کافی افراد بیمار ہو چکے تھے۔ ان کے بدن پر سوجن پڑ گئی تھی۔ ان میں سے اکثر افراد پتوں اور جڑی بوٹیوں پر گذارا کر رہے تھے۔ ان کی اکثریت اس قابل ہرگز نہ تھی کہ وہ لڑائی میں حصہ لے سکتی۔ مشکل یہ تھی کہ محمود کی جنگی قابلیت نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ لڑنا چاہتا تھا، لیکن اس کی جنگی مہارت اس درجہ کی نہ تھی کہ اس قدر نازک صورتِ حالات میں کامیاب منصوبہ بندی کر سکتا۔ اس نے اس سے پہلے کبھی اتنی منظم، مسلح اور منضبط افواج کا سامنا نہ کیا تھا۔ اسے اپنی افرادی قوت پر بے پناہ اعتماد تھا، لیکن ان حالات میں افرادی قوت بھی بھوک اور بیماری کی وجہ سے نڈھال ہو چکی تھی۔ صورتِ حال انتہائی تشویش ناک تھی۔ اس وقت انتہائی قابل اور ذہین جنرل بھی شاید حالات کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ تھا۔ کجا یہ کہ محمود جیسے جنگی امور کے بارے میں بصیرت حاصل نہ تھی۔ اس میدان میں کامیاب ہو سکتا۔

عثمان دقنہؒ نے اپنی پوری کوشش کی کہ محمود کو حالات کی سنگینی سے آگاہ کریں۔ انہوں نے کہا کہ دریائے نیل کے اس قدر نزدیک ہونے کی وجہ سے وہ کسی وقت بھی شبخون کا شکار ہو سکتے ہیں، لیکن محمود نے اپنے منصوبے کو بدل دینے سے انکار کر دیا اور بدستور نخیلہ میں مقیم رہا۔

عثمان دقنہؒ نے اب اسے اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ کسی طرح

موجودہ کیمپ کی جگہ کو تبدیل کر کے بہتر جگہ پر کیمپ لگایا جائے۔ انہوں نے کہا کہ کیمپ کے ارد گرد پام کے پتوں کی بہتات ہے۔ اس بات کا بہت زیادہ امکان تھا کہ ان میں آگ لگ جائے اور ان کے لیے اس مقام پر قیام کرنا ناممکن ہو جائے۔

فوج کے کمانڈر

محمود وہیں رہنے پر بضد تھا اور اس نے عثمان دقنہؒ کی اس دھمکی پر بھی کہ وہ اس حماقت آمیز صورتِ حال کے پیشِ نظر اپنی تمام فوج سمیت اس کا ساتھ چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں گے، ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ عثمان دقنہؒ کے پاس اس وقت اچھی خاصی سپاہ موجود تھی، اگرچہ ان چار سرداروں میں سے جنہوں نے ان کی زیرِ کمان ہندوب اور ٹوکر کے معرکے میں شرکت کی تھی، اس وقت صرف الشیب موجود تھے اور بقیہ تین سردار ام درمان میں خلیفہ کے پاس تھے۔ پھر بھی ان کی جگہ دوسرے آزمودہ کار افراد نے لے لی تھی۔ اس وقت سلیمی قبیلے کے واد العباس اخرطوم میں چودہ سال پہلے انگریزوں کو ناکوں چنے چبوانے والے مشہور سردار شیخ العبید کے بیٹے)، شکریہ کے عبداللہ عود الکریم اور گموّیہ کے عبدالرحمان السناسیر موجود تھے۔ ان میں سے ہر امیر کے زیرِ کمان ایک رُبع یعنی ۲ ہزار سپاہی تھے۔ ہر رُبع چھوٹے گروہوں میں منقسم تھا اور ہر سو یا دو سو افراد کی کمپنی کی ان کے اپنے اپنے افسر کر رہے تھے۔

عثمان دقنہؒ کی کوششیں

عثمان دقنہؒ میدانِ جنگ کا بغور مطالعہ کر رہے تھے۔ انہیں شکست یقینی نظر آرہی تھی۔ اس اثنا میں انگریز افواج پہلے سے کہیں زیادہ منظم اور مسلح تھیں پھر انہیں سوڈان کی جنگی صورتِ حال کا پہلے سے کہیں زیادہ اندازہ ہو چکا تھا۔ ان حالات میں بہترین منصوبہ بندی بھی شاید کام

نہ آسکتی تھی کجا یہ کہ کمان ایک شخص کے ہاتھ میں تھی جو جنگ کی ابجد سے بھی واقف نہ تھا۔ عثمان دقنہ نے ہر ممکن کوشش کی کہ وہ محمود کو حالات کی سنگینی سے آگاہ کریں اسے بتائیں کہ یہ وقت دادِ شجاعت دینے کا نہیں، بلکہ اپنی قوت کو بچانے، اور اسے مناسب مقام پر استعمال کرنے کا ہے۔ دشمن کو ایسی جگہ پر لڑنے کے لئے مجبور کرنا چاہیے جہاں وہ انتہائی کمزور ہو اور مجاہدین کی پوزیشن کہیں بہتر ہو۔ یہاں دشمن کے ساتھ لڑنے سے اس کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوتا کہ وہ دشمن کے بچھائے ہوئے جال میں از خود آ جائے۔ ایسا کرنا خودکشی کے مترادف ہوتا۔

جب عثمان دقنہ نے دیکھا کہ ان کی کسی عرضداشت پر توجہ نہیں دی جاتی، تو انہوں نے اپنے زیرِ کمان افراد کو اس جال سے بچانے کی کوشش کی۔ انہوں نے اپنے امیروں سے کہا کہ وہ اپنے سپاہیوں کو حالات کی سنگینی کی اطلاع دے دیں اور یہ بھی مشورہ دیا کہ وہ چپکے سے اپنے گھروں کی راہ لیں، لیکن کسی کو پتہ نہ چلنے پائے۔

ہندوا قبائل کے بہت سے افراد آنے والے ہفتے عشرے میں خفیہ طور پر الگ ہو کر جانے کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے تھے۔ یہ خوش آئند بات نہ تھی، لیکن اُس وقت اس کے سوا چارۂ کار نہ تھا۔ اگر یہ علی الاعلان جاتے تو اس طرح پوری فوج میں بھگدڑ مچ جاتی اور دوسری طرف اگر یہ یہاں ٹھہرے رہتے تو یقینی ہلاکت سے دوچار ہوتے۔

عثمان دقنہ چاہتے تھے کہ ان کی یہ قوت جو ان کے زیرِ کمان ہے کسی طرح محفوظ ہو جائے تاکہ آئندہ انگریزوں کے ساتھ مقابلے میں ان کے ساتھ لڑنے کے

لئے کچھ نہ کچھ تعداد موجود رہے۔ انہوں نے خود یہ فیصلہ کیا کہ وہ آخر وقت تک محمود کو سمجھانے اور حالات کو سلجھانے کی کوشش میں لگے رہیں گے۔

مجاہدین کے کیمپ میں آتشزنی

۵۔ اپریل کی رات کو جنرل رنڈل اور جنرل ہنٹر کے اپنے سواروں کے ساتھ دیکھ بھال کرنے کے لئے ایک "چکر" لگایا۔ انہوں نے مجاہدین کے کیمپ میں فائرنگ بھی کی۔ اس رات باقی ماندہ ہدندوا قبیلے کے افراد نے بھی چپکے سے نکل جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اب عثمان دقنہؒ کے ساتھ صرف ۶۴ افراد باقی رہ گئے تھے۔ ۸۔ اپریل کی صبح برطانوی اور مصری افواج نے حملہ شروع کیا۔ محمود نے اپنے افراد کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ وہ جب تک ممکن ہو فائرنگ میں پہل کرنے سے احتراز کریں۔ دوسری طرف برطانوی اور مصری افواج آہستہ آہستہ بڑھتیں گئیں جیسے کہ وہ جنگ کی بجائے پریڈ کے میدان میں پیش قدمی کر رہی ہوں۔ حملے کا آغاز ہوا تو دوسری طرف مجاہدین کے کیمپ سے کسی قسم کی مزاحمت نہ ہوئی۔ قریب تھا کہ وہ کیمپ ہی پر آن پڑتے کہ عثمان دقنہؒ نے غصے میں اپنی رائفل اٹھائی اور فائر کر دیا۔ باقی افراد نے بھی اُن کی مثال سامنے رکھتے ہوئے گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ برطانوی اور مصری فوج میں سے بہت سے سپاہی اس فائرنگ سے ہلاک اور زخمی ہوئے اور وقتی طور پر یہ حملہ رُک گیا، لیکن ساتھ ہی وہی ہوا جس کا عثمان دقنہؒ کو پہلے سے اندازہ تھا۔ برطانوی فائرنگ کی وجہ سے مجاہدین کے کیمپ میں آگ لگ گئی۔

محمود کی گرفتاری

اس تمام ہنگامے میں جو حملے اور آگ لگ جانے کی وجہ سے برپا ہوا، عثمان دقنہؒ اپنے ۶۴ ساتھیوں سمیت بچ نکلنے

میں کامیاب ہو گئے۔ اُن میں سے کچھ افراد زخمی ضرور ہوئے، لیکن بحیثیت مجموعی ان کا زیادہ نقصان نہ ہوا۔ اب دوسری طرف محمود اور اُس کے ساتھیوں کا وہی حشر ہوا جو عثمان دقنہؒ کو بہت پہلے سے نظر آرہا تھا اور جس سے بچنے کے لئے وہ اتنے طویل عرصے سے اُسے سمجھانے بجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس کا نتیجہ مکمل شکست اور تباہی کے علاوہ نہ نکل سکتا تھا۔ یہ نوشتہ دیوار محمود کو نظر نہ آرہا تھا اور وہ نہ صرف اپنے لئے بلکہ اپنے تمام ساتھیوں کے لئے تباہی اور بربادی کا سبب بنا۔ ۳ ہزار مجاہدین شہید ہوئے۔ ۲ ہزار اسیر ہوئے۔ خود محمود پکڑا گیا اور اس کی باقی افواج تتر بتر ہو گئیں۔

عثمان دقنہؒ کی تلاش

یہ لڑائی ختم ہوئی، تو انگریزوں نے سب سے پہلے عثمان دقنہؒ کی تلاش کے لئے دن رات ایک کر دیا۔ لیکن ان کا سراغ نہ مل سکا۔ ایک بار پھر وہ انگریزی افواج کے چنگل سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور اس جگہ سے صرف دو گھنٹے کے فاصلے پر اُن کا طبلِ جنگ بج رہا تھا اور ان کے ساتھی ان کے گرداگرد اکٹھے ہو رہے تھے۔

عثمان دقنہؒ کے جاں نثار

کچھ ہی عرصے میں عثمان دقنہؒ کے گرد ان کے ایک ہزار جاں نثار اکٹھے ہو گئے۔ انہوں نے آخری چارہ کار کے طور پر اپنے جن ساتھیوں کو چپکے سے نکل جانے کا کہا تھا، وہ قریب ہی چھپے ہوئے تھے اور طبلِ جنگ سنتے ہی موقع پر پہنچ گئے تھے۔

عثمان دقنہؒ ان کو ساتھ لے کر ادارمہ پہنچ گئے۔ یہاں کچھ دیر قیام کے بعد وہ ابو دلیق پہنچے اور یہاں مختصر سے قیام کے بعد وہ کدارین پہنچ گئے۔

انہیں اتبارہ سے نکلے ہوئے تیرہ دن ہو چکے تھے۔ انہیں راستے میں خاصی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ کئی جگہ اُن کے ساتھیوں کو پتّے کھا کر گزارا کرنا پڑا۔ اس وقت ان کے ساتھ پانچ امیر اور ایک ہزار سپاہی تھے۔ جن کا تعلق بدندوا، بدیدری اور ڈنگولہ قبائل سے تھا۔

خلیفہ کے ساتھ مذاکرات

وہ ایک ماہ تک گداریف میں مقیم رہے تاکہ سفر کی صعوبتوں اور تکالیف سے نڈھال ساتھی آرام کر سکیں۔ ان کی مضطرب رُوح کسی جگہ زیادہ دیر نہ ٹھہر سکتی تھی۔ وہ اپنے ایک دوست طیب السواکنی سے ملنے رفاعہ گئے اور اس کے بعد انہوں نے پھر ادارمہ کی راہ لی۔

انہیں راستے میں ایک گاؤں نظر پڑا جس کے باشندے بھیڑ بکریاں چراتے اور زراعت پر گزر بسر کرتے تھے۔ انہوں نے یہاں قیام کیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی کاموں پر لگا دیا۔ وہ ایک عام فرد کی طرح اپنی زندگی گزارنے لگے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے امِ درمان میں خلیفہ سے اپنا تعلق برقرار رکھا۔ ایک بار پھر خلیفہ کو اُن کی ضرورت پیش آئی اور انہوں نے بلوا بھیجا تاکہ انگریزوں سے لڑائی کی تیاری میں وہ ان کی مدد حاصل کر سکیں۔

وہ امِ درمان پہنچے تو انہیں دریا عبور کرنے کے لئے ایک خاص سٹیمر دیا گیا۔ مغربی کنارے پر خلیفہ خود ان کے استقبال کے لئے موجود تھا۔ ان کی بڑی عزت افزائی کی گئی۔ انہیں خلیفہ کے گھر میں ٹھہرایا گیا اور دونوں کے مذاکرات شروع ہوئے۔

عثمان دقنہؒ کی تقریر

جمعہ کے روز جب سب افراد مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے اکٹھے ہوئے، تو عثمان دقنہؒ بھی خلیفہ کے پیچھے نمازیوں کی

صف میں شریک تھے۔ نماز کے بعد عثمان دقنہؒ نے ایک طویل تقریر کی جو تقریباً چار گھنٹے تک جاری رہی۔ انہوں نے اتبارہ کی شکست کے واقعات پر روشنی ڈالی اور عوام کو تسلی دی کہا کہ آپ حضرات ان واقعات پر غمگین ہونے اور دل ہارنے کی بجائے نئے سرے سے عزم مصمم کریں کہ اس شکست کا بدلہ لے کے رہیں گے۔ ان نقصانات پر جو ہمیں اٹھانے پڑے ہیں، مزید سوچ بچار کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ محمود اگر گرفتار ہوگیا، تو پھر کیا ہوا۔ زبیر ابن عوام محمود سے لاکھ درجہ بہتر اور زیادہ بڑے مجاہد تھے، لیکن انہیں بھی گرفتاری کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ جنگ میں فتح و شکست دونوں ہوا کرتی ہیں۔ وقتی طور پر شکست کی وجہ سے بددل ہونا ایک مومن کو زیب نہیں دیتا۔

چار گھنٹے کی اس تقریر نے عوام کے دلوں میں عزم و حوصلہ کی نئی قندیلیں روشن کر دیں۔ بجھے ہوئے چہرے دمک اٹھے اور ایک نئے ولولے اور حوصلے کی لہر دوڑ گئی۔ مجاہدین ایک بار پھر اس شکست کا بدلہ لینے کے عزم کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ عثمان دقنہؒ کے ساتھیوں میں سے ایک بڑی تعداد دوبارہ ان کے ساتھ آن ملی تھی۔ اور وہ سب شمبات میں مقیم ہو کر معرکے کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔

آخری معرکے کی تیاری

اگست ۱۸۹۸ء کے آواخر میں انگریز اور مصری افواج خاصی قریب آن پہنچی تھیں۔ وہ کسی بھی وقت اُمِ درمان پر حملہ کر سکتیں۔ مجاہدین کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ آئندہ چند روز میں ان کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے، چنانچہ انہوں نے ہر طرح سے تیاری کر رکھی

تھی اور اپنے دفاع کو مضبوط سے مضبوط تر بنا رہے تھے۔ ۵۰ ہزار کے لگ بھگ مجاہدین خلیفہ کے حکم پر گردن کٹوانے کے لئے تیار تھے۔ اللہ تعالےٰ کے حضور خشوع و خضوع سے دعاؤں اور نوافل کے ذریعے اس ذات سے مدد طلب کی جا رہی تھی جس نے اس سے پہلے کتنے ہی مواقع پر ان نہتے مجاہدین کو باطل بے پناہ قوّت کے مقابلے میں فتح و کامرانی سے نوازا تھا اور جس کی بے پناہ رحمتوں پر انہیں اب بھی یقین تھا۔

خلیفہ نے مجاہدین کو اس آخری معرکے کے لئے تیار کرنے کے لئے مختلف خطبات دیئے اور انہیں اللہ تعالےٰ کی راہ میں قربانیاں دینے کے لئے تیار کیا۔

بالآخر یہ خبر ملی کہ اب انگریزوں کی فوج کریری کے نواح میں پہنچ چکی ہے!

چنانچہ جمعرات یکم ستمبر کو اُم درمان میں مقیم تمام مجاہدین ایک لشکرِ جرار کی صورت میں آگے بڑھے۔ بائیں جانب کی افواج کی کمان علی اور حیلو کے ہاتھ تھی۔ اس کے بعد عثمان شیخ الدین اور عثمان ازرک تھے۔ دائیں جانب خلیفہ تشریف تھے۔ عقب میں خلیفہ اور یعقوب اپنے سیاہ علموں کے ساتھ موجود تھے اور مرکز سے کچھ پیچھے کمک بھجوانے کے لئے افواج موجود تھیں جو بوقتِ ضرورت کسی بھی جانب بھجوائی جا سکتی تھیں۔

عثمانؒ دقنہ کی پوزیشن

عثمان دقنہؒ کی فوج کے پاس بہت کم رائفلیں تھیں۔ اس لئے انہیں عقب میں لیکن دریا کے نزدیک پوزیشنیں دی گئی تھیں۔ انہوں نے خلیفہ سے یہ کہا تھا کہ انہیں یہ خطرہ ہے کہ اگر دشمن دریا کے کنارے کنارے آیا تو اس صورت میں دائیں ہاتھ کی فوج کے لئے اپنی پوزیشنیں برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ اسی لئے انہیں عقب میں ایسی پوزیشن پر رکھا گیا تھا

جہاں رہ کر ان کا براہِ راست لڑائی میں شریک ہونے کا امکان بہت کم تھا، لیکن کسی بھی دشوار صورت حال میں مجاہدین کو شکست سے بچانے کے لئے مؤثر اقدام کرنے کے قابل ہو سکتے تھے۔ ان کی اصل پوسٹ خورشمبت پر تھی۔ انہوں نے نامعلوم وجوہ کی بنا پر اپنے سپاہیوں کے عقب میں ان تمام بھیڑ بکریوں کے لیئے جگہ بنا دی جو وہ ادارمہ سے لائے تھے۔

ان کے سپاہیوں نے رات خور ہی میں گزاری۔ جہاں انہیں وہ ہر جانب سے چھپے ہوئے تھے اور انہیں کسی طرف سے نہ دیکھا جا سکتا تھا۔

معرکے سے پہلی رات

خلیفہ نے خود عثمان دقنہ سے ۶۰۰ گز کے فاصلے پر جبل سرغم کی جانب پوزیشن لے رکھی تھی۔ وہ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ انہوں نے ایک طویل عرصہ کی جد و جہد کے بعد مجاہدین کی جو جمعیت اکٹھی کی ہے اس کا کیا انجام ہوگا۔ طرح طرح کے اندیشے ان کے دل میں آ رہے ہوں گے۔ یہ رات یقینی طور پر انتہائی بے چینی میں گزری ہو گی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود تھے کہ ان مجاہدین کی لاج رکھ لے جو کسی نفسانی غرض کی بنیاد پر نہیں بلکہ کفر کا مقابلہ کرنے اور اسلام کی خاطر سر کٹانے کے لئے میدان میں نکلے تھے۔ وہ منتظر تھے کہ دیکھیں صبح ہونے کے بعد کیا نتائج نکلتے ہیں انہیں اپنے خدا کی ذات پر پورا بھروسہ تھا اور وہ اسی کے سہارے اس معرکے کے لئے نکلے تھے۔

اسی دوران ایک انتہائی تشویشناک خبر سامنے آئی۔ وہ یہ کہ برطانوی حملہ رات کے دوران میں ہوگا۔ دو افراد یہ خبر لے کر پہنچے تھے۔ جنرل کچنر یہاں تک ۲۵ ہزار سپاہ پہنچانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ پھر بھی اسے دو خطرات کا سامنا تھا۔ عین ممکن

تھا کہ مجاہدین سرے سے لڑائی کا موقع ہی نہ دیں اور اُم درمان سے پسپائی اختیار کر لیں یا رات کو اچانک حملہ کر دیں۔ دوسری صورت میں برطانوی اور مصری افواج کی کامیابی مشکوک تھی۔ اگر وہ کامیاب ہو بھی جاتے تو انہیں بھاری جانی نقصان برداشت کرنا پڑتا۔ رات کے وقت حملہ یقینی طور پر مجاہدین کے حق میں ہوتا۔ شبخون کی صورت میں انگریزی افواج میں بھگدڑ مچ جاتی۔

سلاطین پاشا کا مشورہ

اس موقعے پر برطانوی خفیہ محکمے کے ایک افسر سلاطین پاشا کے وہ تجربات کام آئے جو اُس نے مجاہدین کے پاس دس سالہ قید کے دوران میں حاصل کئے تھے۔ سلاطین پاشا ایک طویل عرصہ تک مہدی کے یہاں قید رہا تھا اس عرصے میں اسے سوڈان کے مقامی باشندوں کی عادات کو اطوار کو جاننے اور سمجھنے کا خاصا موقع ملا تھا۔ وہ مقامی افراد سے فرداً فرداً بھی واقف تھا اور ان کی اجتماعی نفسیات کا شعور بھی حاصل تھا۔ اس نے مشورہ دیا کہ مجاہدین کے شبخون سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ انہیں کسی طرح سے یہ باور کرا دیا جائے کہ خود ان پر شبخون پڑنے والا ہے۔

مجاہدین اور انگریز افواج کے درمیان جاسوسوں کی آمد و رفت رہی بھی تھی۔ سلاطین پاشا نے ان میں سے چند افراد کو اعتماد میں لے کر یہ بتایا کہ انگریز اُن پر شبخون مارنے کی تیاریاں کر رہے ہیں اور یہ کہ انہیں یہ بات قطعی طور پر راز میں رکھنا ہوگی۔ ان سے یہ کہا گیا کہ انہیں یہ بات محض اس وجہ سے بتائی جا رہی ہے کہ وہ انگریزوں کے ساتھ وفادار رہے ہیں اور یہ کہ وہ اپنے خاندانوں کو لے کر بچ نکلیں۔ انہیں کسی اور سے اس بات کا ذکر کرنے کی بے حد تاکید کی گئی اور ساتھ ہی

یہ بھی بتا دیا کہ اس حملے کی اطلاع کسی بھی باقی افراد تک پہنچنے نہ پائے۔

یہ فریب خوردہ ہرکارے فوراً ہی شہر میں پہنچے اور جیسا کہ سلاطین بابا کا خیال تھا پورے کیمپ میں یہ اطلاع پھیل گئی کہ انگریز شب خون مارنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔
نوبت یہاں تک پہنچی کہ دو افراد خود خلیفہ کو یہ خبر بتانے کے لئے پہنچ گئے۔

مجاہدین کا حملہ

صبح ہونے سے پہلے مجاہدین نے نماز ادا کی۔ علی داد ہلو اور عثمان دقنہ شمبت کے پہاڑی نالے میں مقیم رہے۔

انگریزوں کا خیال تھا کہ مجاہدین رات کے وقت حملہ کریں گے اور دن کے وقت حملہ نہیں کریں گے، کیونکہ دن کے وقت انہیں نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا۔ لیکن مجاہدین نے عین دن کے وقت حملے کا آغاز کر دیا۔ یہ ان کی غلطی تھی، کیونکہ دن کے وقت انگریزوں کی توپوں، مشین گنوں اور رائفلوں کی آتش باری کے سامنے پیش نہ جا سکتی تھی۔ ان کی بہت بڑی تعداد شہادت سے سرفراز ہوئی۔ شکست منہ کھولے کھڑی تھی۔ جب خلیفہ کو اس بات کا احساس ہوا کہ اب شکست مقدر ہو چکی ہے، تو وہ اپنے سفید خچر پر بیٹھ کر اُمّ درمان کی جانب چل پڑے۔ راستے میں عثمان دقنہ رح پہاڑی نالے میں پوزیشن لئے ہوئے ملے۔ خلیفہ نے اس وقت کے رواج کے مطابق اپنے ساتھیوں کی طرح شہید ہو جانے کا فیصلہ کیا اور راستے میں ایک جگہ جانماز بچھا کر شہادت کو لبیک کہنے کے لئے تیار ہو گئے۔

عثمان دقنہ خود خلیفہ کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ ابھی موقع ہے اور یہ کہ وہ ایک بار پھر انگریزوں سے پنجہ آزمائی کر سکتے ہیں۔ اچھی بات یہ ہے کہ ہم دونوں گھوڑے کی پیٹھ پر انگریزوں سے لڑتے لڑتے شہید ہوں، یہاں مصلّے پہ بیٹھ کر

شہادت کی آرزو کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ انہوں نے کہا کہ دشمن کا زور ختم ہو چکا ہے۔ وہ اب لڑنا نہیں چاہتا۔ عثمان دقنہ کی ان باتوں کا خاطر خواہ اثر ہوا اور خلیفہ نے اب اُمِ درمان کا رُخ کیا۔ ان کے ساتھ صرف ان کا ذاتی ملازم تھا۔

اُمِ درمان کی جنگ

خلیفہ سب سے پہلے اپنے گھر گئے کچھ دیر آرام کیا اور پھر طبلِ جنگ بجانے کا حکم دیا، لیکن شکست کھانے کے بعد اب لوگوں میں لڑنے کا حوصلہ باقی نہ رہا تھا۔ بہت بڑی تعداد میں شہید اور زخمی ہونے کی وجہ سے یہ آبادی اس قابل نہ رہی تھی کہ وہ مزید مزاحمت کر سکے۔ خلیفہ اب مسجد میں چلے گئے اور وہاں جا کر اللہ سے دعا کی کہ ان نازک حالات میں اپنی نُصرت سے نوازے۔

اس دوران میں ان کا ملازم عبداللہ تھکن سے چُور بے ہوشی کے عالم میں لیٹا تو اس کی آنکھ دوسرے دن کھُلی۔ اس نے اُٹھ کر دیکھا، تو اُسے معلوم ہوا کہ خلیفہ کہیں اور جا چکے ہیں۔ اس نے مکان کو تالا لگایا اور ان کی تلاش میں چل کھڑا ہوا۔

اُمِ درمان کی جنگ کے دوران میں مجاہدین کے ۱۰ ہزار افراد شہید ہو چکے تھے اور زخمیوں کی تعداد ۱۵ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ ۵ ہزار کے قریب قید ہو چکے تھے۔ گویا مجاہدین کی تمام تر قوت مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔

مجاہدین کی شہادت

دریائے نیل کا پانی ان مجاہدین کے لالہ رنگ خون سے سُرخ ہو چکا تھا۔ یہ سرفروش جو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر انگریزوں کے خلاف نبرد آزمائی کے لئے انتہائی دلیری اور جرأت کے ساتھ نکلے تھے۔ اللہ تعالےٰ کے حضور خلعتِ شہادت پہن کر سرفراز ہو چکے تھے اور اپنی

زندگی کے مقصد کو پا چکے تھے۔ اللہ تعالےٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں ان شہیدوں پر جنہوں نے اپنے سیاہ فام جسموں کو ڈھال بنا کر انگریزوں کی بڑھتی ہوئی یلغار کو روکنے کی کوشش کی اور اسی جد و جہد میں اپنے خالقِ حقیقی سے یوں جا ملے کہ ان کے چہروں پر ان کے اپنے ہی شفق رنگ خون کا غازہ تھا اور ان کے جسموں پر مشک سے بڑھ کر قیمتی لہو میں ڈوبے ہوئے سُرخ دوشالے تھے۔ یقیناً جنت کی حوروں نے بڑھ کر اُن کا استقبال کیا ہوگا؟ اور اُن کے پیاسے ہونٹوں کو ساقیٔ کوثر نے سیراب کیا ہوگا۔ ملّت اسلامیہ کو اس پر فخر ہونا چاہیئے کہ اس نے ایسے عظیم فرزندوں کو جنم دیا۔ جو اسلام کی سربلندی اور حرّیت کے حصُول کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دینے کو زندگی کی معراج سمجھتے تھے اور جو اپنے وقت کی سب سے بڑی دنیاوی قوت کے جاہ و جلال کو پرِ کاہ کے برابر وقعت دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ وہ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے سنگا پور سے جبرالٹر تک پھیلی ہوئی انگریزی سلطنت کی جنگ آزمودہ سپاہ سے ٹکرا گئے۔ عالمِ اسلام میں غلامی کی اس شبِ تاریک میں ان کا وجود ایک چمکتے ہوئے ستارے کی طرح تھا۔ اللہ تعالےٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اطاعت قبول کرنے سے انکار

اس میں شک نہیں کہ مجاہدین کی ایک بہت بڑی تعداد راہِ حق میں شہید ہو گئی تھی اور ان کی تمام تر قوت ختم ہو چکی تھی، لیکن ان ناگفتہ بہ حالات کے با وجود خلیفہ کا عزم و استقلال دیکھنے کے لائق تھا۔ شکست اور ناکامی کے ان لمحات میں بھی انہوں ہمت و عزم

کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

برطانوی سپہ سالار کچنر نے بڑی کوشش کی کہ وہ کسی طرح ہتھیار ڈال دیں جنگ سے دو روز پہلے اس نے وعدہ کیا تھا۔ بشرطیکہ وغیر مشروط اطاعت قبول کر لیں، لیکن خلیفہ نے اس کا صرف ایک ہی جواب دیا اور وہ یہ تھا کہ اس خط کو چاک چاک کر ڈالا۔ اب ان حالات میں جب کہ مجاہدین کی طاقت پاش پاش ہو چکی تھی۔ خلیفہ نے ہتھیار ڈالنے کی بجائے اپنی جدوجہد کو جاری رکھنے کے لئے عثمان دقنہؒ کے ساتھ مل کر برطانوی قوت کو ایک بار پھر للکارنے کا فیصلہ کر لیا۔

خلیفہ کی شہادت

اُمِ درمان کی اس لڑائی کے بعد خلیفہ اور عثمان دقنہؒ نے مل کر دوبارہ انگریزوں کو کئی جگہ بھاری جانی نقصان پہنچایا مختلف چھاپہ مار معرکوں میں انہوں نے انگریز سپاہ کو تہس نہس کیا اور بچ نکلنے میں کامیاب رہے۔ تقریباً ایک سال تک یہی سلسلہ جاری رہا۔

انیسویں صدی ختم ہونے میں پانچ ہفتے باقی تھے کہ مہدی سوڈانیؒ کے اس بہادر جانشین نے انگریزوں کے خلاف لڑتے ہوئے جب آخری وقت قریب دیکھا تو میدانِ جنگ سے بچ نکلنے کی بجائے مصلّٰے بچھا کر اپنے اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہو کر جان جاں آفریں کے سپرد کی۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ان کے علاوہ اُمِ درمان کے تمام باشندوں کے جان و مال کی حفاظت کی ذمّے داری لینے کا

باب نہم

عثمان دقنہؒ کی تلاش

یہ واقعہ ۲۴ نومبر ۱۸۹۹ء کو پیش آیا۔

عثمان دقنہؒ نے خلیفہ عبداللہی کی شہادت کے بعد میدانِ جنگ سے نکل کر باقی ماندہ سپاہ کو اپنے گرد اکٹھا کیا اور ایک بار پھر انگریزوں کیخلاف سینہ سپر ہونے کے لئے تیاریاں شروع کر دیں۔ اس میں شک نہیں کہ اب ان کے گرد انگریزوں کا دائرہ تنگ سے تنگ تر ہوتا چلا جا رہا تھا اور انگریزوں کی کامیابی سے مرعوب ہو کر زیادہ تر قبائل ان کا ساتھ دے رہے تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے ان انتہائی دشوار حالات میں بھی راستہ نکالنے کی کوشش کی۔ ان کا خیال تھا کہ وفادار قبائل اب بھی ساتھ دیں گے اور وہ انہیں مجتمع کر کے ایک بار پھر انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

انہوں نے مشرقی سوڈان کا رُخ کیا۔ جدید کی اس حالیہ لڑائی کے بعد اُن کے حریف انگریز جرنیل ونگیٹ کا یہ خیال تھا کہ وہ واپس اپنے علاقے میں جانے کی کوشش کریں گے۔ اس لئے اس نے کسالہ میں کرنل کالنسن، اور سواکن میں میجر گاڈن کو بذریعہ تار مطلع کر دیا تھا کہ عثمان دقنہؒ کی تلاش کے لئے ہر جانب پارٹیاں روانہ کر دی جائیں۔

عثمان دقنہؒ پہاڑوں میں

اب تک صرف یہ پتہ چل سکا تھا کہ عثمان دقنہؒ نے

دریائے اتبارہ کو عبور کرلیا ہے اور یہ کہ وہ مشرق کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ ویسے انہوں نے اباجزیرہ کے نزدیک دریائے نیل کو عبور کرلیا تھا اور رادارمہ کے مقام پر کچھ دیر رکنے کے بعد بحرِ احمر کی ساحلی پہاڑیوں کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔

کچھ عرصے بعد یہ افواہ گردش کرنے لگی کہ عثمان دقنہؒ واریبہ کے پہاڑوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ یہ پہاڑ انتہائی دشوار گزار تھے اور یہاں پہنچنا آسان کام نہ تھا۔

عثمان دقنہؒ نے حالات کے پیشِ نظر ان پہاڑوں میں مقیم قبیلہ کے شیخ محمد علی الامیر عورؒ کے یہاں قیام کیا۔ یہ قبیلہ اُن کا پرجوش حامی رہا تھا اور انگریزوں کے خلاف کئی جنگوں میں حصّہ لے چکا تھا۔ اس لئے ان کا یہ خیال تھا کہ یہ اب بھی ساتھ دیں گے، چنانچہ انہوں نے شیخ محمد علی الامیر عور سے پوچھا کہ آیا ان کا قبیلہ ایک بار پھر ان کے ساتھ انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو سکے گا؟ لیکن شیخ کا جواب اس بار خاصا مختلف تھا۔ اس نے صاف طور پر کہہ دیا کہ وہ اس کام کے لئے نہ خود تیار ہے اور نہ ہی اس کا قبیلہ اس قسم کے کسی کام پر آمادہ ہو سکے گا۔

شیخ محمد علی کی بے وفائی

عثمان دقنہؒ کو یہ محسوس ہو چکا تھا کہ جدّوجہد کا باب بند ہو چکا ہے۔ انہوں نے شیخ سے کہا کہ وہ کشتی کا انتظام کر دے تاکہ وہ جدّہ پہنچ سکیں اور اس طرح اپنی باقی زندگی حرمِ پاک کے سائے میں گزار دیں۔

شیخ نے اس بات کا وعدہ کر لیا کہ جلد ہی انہیں کشتی میں جدّہ پہنچانے کا انتظام کرے گا۔ اس اثنا میں اس نے اُن کے ساتھ ایک ملازم اور ایک تربیت یافتہ کتا کر دیا۔ یہ کتا انہیں دشمن کی آمد پر خبردار کرنے کا فرض انجام دے سکتا تھا؛ تاہم

حقیقت یہ تھی کہ اس نوکر کے ذمے یہ کام لگایا گیا تھا کہ وہ عثمان دقنہؒ کو کم سے کم خوراک دیا کرے تاکہ وہ کمزور ہو جائیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا گیا تھا کہ اگر کتا دشمن کی آمد پر بھونکے تو یہ بتایا جائے کہ کچھ بھیڑ بکریاں گزر رہی ہیں جس کی وجہ سے وہ بھونک رہا ہے۔

اس غدّاری کے علاوہ شیخ نے اپنے بھتیجے کو سواکن بھجوایا کہ وہ انگریزوں کو عثمان دقنہؒ کے بارے میں اطلاع بہم پہنچائیں۔

عثمان دقنہؒ کی مخبری

شیخ کے اس بھتیجے نے سواکن پہنچتے ہی گورنر کو عثمان دقنہؒ کے بارے میں اطلاع دی۔ یہ خبر پولیس کے کمانڈنٹ محمد بے احمد تک پہنچائی گئی، لیکن اُس نے اس کی صداقت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ بات یہ تھی کہ مختلف مقامی افراد نے لالچ میں آکر عثمان دقنہؒ کے بارے میں بہت سی بے سروپا باتیں بتائی تھیں اور کچھ گندم یا کپڑوں کی خاطر اپنے سب سے بڑے محسن کی بدخواہی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی، لیکن یہ تمام تر خبریں غلط ثابت ہوتی رہیں۔

عثمان دقنہؒ یوں بھی اس قدر برق رفتاری سے بحرِ احمر کے پہاڑوں میں جا پہنچے تھے کہ برطانوی پولیس اور فوج اُن کا راستہ نہ روک سکی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ پولیس کے افسر کسی نئی اطلاع پر مشکل ہی سے یقین کرتے تھے۔

ان انتہائی نامساعد حالات میں بھی پورے بحرِ احمر کے ساحل پر آباد قبائل میں سے شاید ہی کوئی شخص اُن کو پکڑوانے میں مدد دیتا، تاہم ایک قبیلے کا فرد اس غدّاری پر آمادہ ہو گیا۔ اور یقیناً اسی وجہ سے آج تک اس قبیلے اور اس مقام کو

انتہائی حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ مقامی گیتوں تک میں اس نفرت کا سراغ ملتا ہے۔ راہ جاتے شتر بان اپنے اونٹوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اگر انہوں نے اس جانب رخ کیا جہاں چند سکوں کے لالچ میں عثمان دقنہ کو انگریزی حکومت کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا تھا، تو انہیں پینے کو پانی تک نہ ملے گا۔

عند و امر عثمان ابکا
مری رد ب دیا با
اور ریبیا ہی حصا ی مساور
مضهن ادر با ی حر طط

(لوگوں نے سردار عثمان کو چند سکوں کے عوض حکومت کے ہاتھوں بیچ دیا میرے بیٹے حصا ی، اس کو پہاڑوں میں ڈھونڈنے کے لئے یوں نہ نکلو)

عثمان دقنہ کی تلاش

محمد بے احمد کمانڈنٹ پولیس کی کمان میں پولیس والے عثمان دقنہ کی تلاش میں نکلے۔ انہیں یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ کیپٹن بر جس سے ملنے کی کوشش کریں جو اس وقت واریبہ کے گردو پیش کے علاقے میں ان کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ پہلے پچاس میل کے راستے میں میدانی علاقے کا سفر درپیش تھا۔ دس گھنٹے کے طویل سفر کے بعد وہ ان پہاڑوں کے دامن میں آ پہنچے جو اریٹریا کی سرحدوں سے لے کر مصر میں نہر سویز تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ابتدائی فاصلے کو طے کرنا مشکل نہ تھا، لیکن ماسف کے نزدیک پہنچ کر راستہ انتہائی

دشوار ہو جاتا ہے۔ پہاڑوں کے پتھر ایسے ہیں کہ ان پر قدم نہیں ٹکتا اور کئی جگہ حائل بڑی بڑی چٹانیں راستہ کو بالکل مسدُود کیے ہوئے ہیں۔ میلوں تک چٹیل پتھریلی زمین پھیلی ہوئی ہے۔ کوئی جھاڑی تک موجود نہیں۔ دھوپ سے جھلسی ہوئی چٹانیں تاحدِ نگاہ پھیلی ہوئی ہیں اور ان حالات میں کسی ایسے شخص کے لئے جو اسی علاقے سے تعلق نہ رکھتا ہو، یہاں کے دشوار گزار پہاڑوں تک پہنچنا جان جوکھوں کا کام ہے۔

پولیس پارٹی کا تعاقب

پولیس پارٹی نے درۂ معرکے قریب سوروبیط کے مقام پر رات گزاری۔ یہاں سے دہ ہزارو۔ سے ہوتے ہوئے آگے بڑھے، لیکن دہ ہزارو۔ سے نکلے ہی تھے کہ پورا منظر تبدیل ہو گیا۔ کہاں دھوپ سے جھلسی ہوئی چٹانیں تھیں اور کہاں اب ان کے سامنے حدِ نظر تک ریت ہی ریت تھی۔

موسم گرما کی بارشوں کے بعد یہاں سبزہ اُگنے لگتا ہے اور سیاہ رنگ چٹانیں دیکھ دیکھ کر اُکتائی آنکھیں اس خوب صورت منظر سے طراوت محسوس کرتی ہیں۔ پہاڑوں میں گھری ہوئی اس وادی کا سبزہ عجب بہار دکھاتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم کسی پیالہ نما وادی میں ہیں جس کے گرداگرد پہاڑوں کی چوٹیاں ایک حصار باندھے کھڑی ہیں۔ سرمئی رنگ چوٹیوں کی قطاریں ایک دوسری کے پیچھے جھانکتی نظر آتی ہیں۔ اس وادی سے نکلتے ہی پولیس پارٹی نے بردیما کی چوٹی کی راہ لی جو آسمان کے سینے میں خنجر کی طرح چبھتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم کسی فلک بوس قلعے کے اندر آپہنچے ہیں۔ جس کی دیواروں میں سے کوئی راستہ نہیں نکلتا۔

بردیما اور سابید ناد و ایسے مقامات تھے جن کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ عثمان دقنہؒ یہاں مل سکیں گے۔ اتفاق سے پولیس کو کیپٹن برجس بھی مل گیا جو گذشتہ دس بارہ روز سے ان کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ اس طرح پولیس پارٹی کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔

مقامی افراد کی ہمدردیاں

عثمان دقنہؒ کی تلاش اب بھی آسان نہ تھی۔ ان پہاڑوں میں لاتعداد پُرپیچ راستے ہیں اور گہرے نالوں، کھڈوں اور بھُربھُری چٹانوں سے لڑھکتے پتھروں پر پھسلتے قدموں سے چلنا آسان کام نہیں۔ پھر کئی ایسے مقامات ہیں جہاں چند افراد مل کر ایک ڈویژن فوج کا راستہ روک سکتے ہیں۔

مقامی افراد کی دلی ہمدردیاں اب بھی عثمان دقنہؒ کے ساتھ تھیں اور یہی وجہ تھی کہ کیپٹن برجس اب تک اُن کا سراغ نہ پا سکا تھا۔ اوّل تو دُور دُور تک کسی شخص کا چہرہ ہی نظر نہ آتا تھا۔ پھر عورتیں تک مقدور بھر کوشش کرتی تھیں کہ ڈھونڈنے والوں کو غلط سمت بھیج دیں تاکہ وہ اُن کے سردار تک نہ پہنچ جائیں۔ ان حالات میں عثمان دقنہ تک جا پہنچنا اور انہیں گرفتار کر لینا آسان کام نہ تھا۔ پھر بھی وہ اب عثمان دقنہؒ کے نزدیک جا پہنچے تھے۔ پھر انہیں اس غدّار شخص کی رہنمائی اور مدد حاصل تھی۔ جس سے بڑھ کر ملعون شخص اس پورے علاقے میں نہ تھا۔

قبائل میں کسی شخص کو اپنی پناہ میں لے کر اس سے غدّاری کرنے سے بڑھ کر شاید ہی کوئی اور جُرم ہو۔ آج بھی وسط ایشیا، بلوچستان، سرحد، کردستان اور دیگر عرب قبائل میں یہ روایت اُسی طرح موجود ہے جس طرح صدیوں پہلے پائی جاتی تھی

کہ اگر باپ کا قاتل بھی پناہ حاصل کر لے، تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اُسے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اس روایت سے انحراف بد ترین جرم ہے اور اس کے مرتکب کا قبائلی معاشرہ میں رہنا قریب قریب ناممکن ہو جائے گا۔

ان پہاڑوں کے سناٹے میں پتھر کے گرنے کی آواز دیر تک گونجتی ہے اور پھر مہیب خاموشی چھا جاتی ہے۔ یہ پہاڑ ایک دوسرے سے انتہائی قریب نظر آتے ہیں، لیکن ان کی ڈھلانیں اس قدر عمودی واقع ہوئی ہیں کہ ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ تک پہنچنے میں پورا دن صرف ہو سکتا ہے۔ چٹانوں کی بلندی سے دیکھیں تو نیچے تک کنوئیں کی سی تاریکی پھیلی نظر آتی ہے۔ ان چٹانوں پر چلنا انتہائی مہارت کا کام ہے۔ پھر پہاڑوں کے درمیان ندی نالے جو بارش کے دنوں میں یکایک بھر جاتے ہیں، انتہائی تیز رفتاری سے رواں دواں ہوتے ہیں اور پھر یوں خشک ہو جاتے ہیں کہ جیسے وہاں کبھی پانی کا نام نہ تھا۔ پھر انہی ندی نالوں میں دُور تک غار پھیلے ہوتے ہیں انہی غاروں میں سے ایک میں عثمان و قنہٗ چھپے ہوئے تھے۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ ان کا ملازم شدید نوعیت کی غداری اور بد عہدی کے ڈرامے کا ایک گھناؤنا کردار بننے والا ہے۔

ناکام کوشش

محمد بے نے کیپٹن برجس کو بتایا کہ عثمان و قنہٗ نزدیک ہی موجود ہے، لیکن کیپٹن برجس یہ ماننے کے لئے تیار نہ تھا کہ وہ واقعی انہیں پکڑنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس سے پہلے اُسے بارہا بتایا گیا تھا کہ وہ نزدیک ہی موجود ہیں اور ہر بار وہ انہیں گرفتار کرنے میں ناکام رہا تھا۔

اس سے پہلے کتنی ہی بار یہ اطلاع ملی تھی کہ وہ مارے جا چکے ہیں۔ الطیب'

تامنیب، ٹوکر، کفیت ہر جگہ یہی بتایا گیا تھا کہ وہ زندہ نہیں بچے اور ہر بار یہ اطلاع غلط ثابت ہوئی تھی۔

کبھی یہ اطلاع ملتی کہ وہ کسالہ میں ہیں۔ کبھی معلوم ہوتا کہ وہ اب ٹوکر پہنچ چکے ہیں۔ کبھی الودلیق اور ادارمہ کے بارے میں بتایا جاتا کہ وہ اب وہاں ہیں اور جہاں کہیں ان کی موجودگی کا پتہ چلتا، برطانوی حکومت انہیں گرفتار کرنے کی کوشش کرتی لیکن کبھی ان کا صحیح سراغ لگانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ کیپٹن برجس کو بہت یقین سے بتایا گیا تھا کہ ان کا قریب ہونا متوقع ہے۔ لیکن وہ پُر اُمید نہ تھا۔ پھر بھی اس نے سوچا کہ جہاں اتنے چھاپے ناکام ہوئے ہیں، ایک اور کوشش سہی۔

اسے اس مہم پر آئے پندرہ دن سے زیادہ ہو چکے تھے۔ اس زمانے میں اس تمام علاقے کے نقشے مناسب سروے کے بغیر ہی بنے ہوئے تھے۔ دریبہ جسے اس کے نقشے میں محض ایک پہاڑ بتایا گیا تھا، دراصل دُور تک پھیلے ہوئے پہاڑوں، چٹانوں اور سطح مرتفع کا تین سو مربع میل پر پھیلا ہوا علاقہ تھا۔ اس تمام علاقے میں مقامی افراد نہ ہونے کے برابر تھے۔ جہاں کہیں لوگ موجود تھے وہ حکومت کے افراد کی آمد کا سن کر چھپ جاتے تھے۔ ان میں سے شاید ہی کوئی شخص عثمان دقنہ کے بارے میں بتانے کے لئے آمادہ ہو سکتا، اگر کہیں کوئی مل بھی جاتا تو غلط رہنمائی کر کے حکومت کے افراد کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا، تاکہ وہ ان تک نہ پہنچ پائیں۔

کیپٹن برجس کی پیش قدمی

۱۲ جنوری ۱۹۰۰ء کی شام کو کیپٹن برجس اور محمد بے احمد پچیس افراد کی ایک پارٹی کے ہمراہ

اس غار کی تلاش کو نکلے جہاں عثمان دقنہ کی موجودگی کی اطلاع ملی تھی۔ یہ پارٹی تمام رات سفر کرتی رہی۔ اور صبح ہونے سے کچھ پہلے وہ شیخ محمد الامیر کے خیمے پاس جا پہنچی۔ دُور دھندلکے میں پہاڑوں کا وہ سلسلہ نظر آ رہا تھا جس کے بارے میں بتایا جاتا تھا کہ ان پہاڑوں کے کسی غار میں عثمان دقنہ موجود ہیں۔ یہاں پارٹی نے پڑاؤ کیا اور آپس میں عثمان دقنہ کو گرفتار کرنے کے منصوبے پر سوچ بچار کیا۔

شیخ محمد الامیر نے بتایا کہ کس طرح محمد بے کو کچھ فاصلہ عبور کر کے رُک جانا چاہیئے۔ حتیٰ کہ اُسے ایک کُتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دی۔ محمد بے کو سخت طیش آیا۔ اُس نے کہا "کیا سواکن کی پولیس کا کوتوال ایک کُتے کے بھونکنے کی آواز سُننے کے لئے اتنا طویل فاصلہ طے کر کے آیا ہے۔ تم ہماری رہنمائی کرو اور اس جگہ تک پہنچاؤ جہاں عثمان دقنہ موجود ہے۔ اس کے بعد ہم جانیں اور ہمارا کام!"

عثمان دقنہ کی گرفتاری

اب یہ پارٹی دوبارہ روانہ ہو گئی۔ تقریباً تین میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد انہیں کُتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دی۔ شیخ محمد الامیر یہاں سے واپس ہو گیا۔ اب کیپٹن برجس نے عثمان دقنہ کو گرفتار کرنے کے لئے حالات کا جائزہ لیا۔ پولیس کو سفر کرتے ہوئے بارہ گھنٹے ہو چکے تھے۔ انہوں نے یہاں کچھ دیر آرام کیا اور پھر آخری مرحلے کی تکمیل کے لئے آگے بڑھے۔

صبح ہو چکی تھی کُتے کے مسلسل بھونکنے کی وجہ سے عثمان دقنہ کو نوکر سے پوچھنا پڑا کہ کتا اس طرح کیوں بھونک رہا ہے؟"

نوکر نے وہی جواب دیا جو اسے پہلے سے بتایا گیا تھا کہ کچھ عرب اپنے گلے

سمیت گزر رہے ہیں کوئی غیر معمولی بات نہیں۔

عثمان دقنہؒ یہ سن کر مطمئن ہو گئے اور دوبارہ قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ اس دوران میں ملازم ناشتہ بنانے میں مصروف ہو گیا۔ کچھ ہی دیر بعد پولیس پارٹی غار کے دہانے پر پہنچ گئی۔

عثمان دقنہؒ غار کے منہ کی طرف لپکے، لیکن وہاں پہلے سے ہی پولیس کے خاصے افراد موجود تھے۔ انہوں نے غار کے عقبی حصے کی جانب جست لگائی اور قریب تھا کہ وہاں سے نکل جاتے، لیکن پولیس نے دوسری جانب بھی گھیرا ڈالا ہوا تھا۔ چشم زدن میں انہیں گھیر لیا گیا اور جکڑ کر پابہ سلاسل کر دیا گیا۔"

عثمان دقنہؒ کی شناخت

کیپٹن برجس اور محمد بے نے اس سے پہلے کبھی عثمان دقنہؒ کو نہ دیکھا تھا۔ کیپٹن برجس نے محمد بے سے پوچھا کہ کیا عثمان دقنہؒ واقعی یہی ہیں؟" اسے یقین نہ آرہا تھا کہ وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

محمد بے کو سترہ سال پہلے سنکاٹ کی جنگ یاد آگئی۔ اس نے کہا کہ اگر ان کے سر پر تلوار کے زخم، بائیں کلائی پر گولی کے زخم اور پشت پر سنگین کے زخم کے نشانات ہیں، تو بلاشبہ یہی عثمان دقنہؒ ہیں۔

کیپٹن برجس نے یہ نشانات دیکھے، تو اسے یقین ہو گیا کہ اس بار اپنی کوشش میں ناکام نہیں ہوا۔ اسے یہ شک تھا کہ انہیں چھڑانے کی کوشش کی جائے گی اور ان پہاڑوں میں ایسا عین ممکن تھا، تاہم جہاد کے اس طویل عرصے کے بعد حالات کافی بدل گئے تھے۔

شیخ محمد الامیر اگر غداری نہ کرتا، تو کیپٹن برجس کبھی بھی انہیں گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہو سکتا۔ اب بھی اگر عثمان دقنہ ؒ کے قریبی ساتھیوں کا گروپ مضبوط ہوتا اور وہ شیخ محمد الامیر کے رحم و کرم پر نہ ہوتے، تو صورت حال خاصی مختلف ہوتی۔

قاہرہ کی طرف روانگی

پولیس، عثمان دقنہ ؒ کو لے کر ایک لمبے دشوار گزار لیکن نسبتاً محفوظ راستے سے سواکن کی جانب روانہ ہو گئی۔ سواکن پہنچنے پر مجمع میں سے اکثر لوگوں نے اُن غداروں پر پھٹکار کی جن کی وجہ سے عثمان دقنہ ؒ گرفتار ہوئے تھے۔ وہ ۲۱ جنوری کو سواکن پہنچے اور انہیں وہاں سے مصر روسٹیا کے جیل خانے میں پہنچا دیا گیا۔ ۲۶ جنوری کو جب گاڑی قاہرہ کے ریلوے سٹیشن پر پہنچی، تو جنرل ونگیٹ جو عثمان دقنہ سے ملنے کا بے حد مشتاق تھا، سٹیشن پر پہنچا۔ اس نے موقع غنیمت سمجھتے ہوئے یہ سوال کیا کہ کیا وجہ کہ جدید کے میدانِ جنگ میں جب خلیفہ اور ان کے تمام امیر شہید ہو گئے، تو آپ میدانِ جنگ سے کیسے بچ نکلے؟

عثمان دقنہ ؒ نے کہا: "میں بھی تمہاری مانند ایک سپاہی ہوں۔ میرا کام حکم کی اطاعت کرنا ہے۔ جنگ سے پہلے خلیفہ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ان کے اہلِ خانہ کو حفاظت سے محفوظ مقام پر پہنچا دوں۔ جب میں انہیں پہنچا کر لوٹا، تو جنگ ختم ہو چکی تھی۔ میرا خیال تھا کہ میں بحرِ احمر عبور کر کے عرب جا پہنچوں گا۔ اور اگر جمیلاب کا شیخ غداری نہ کرتا، تو میں کامیاب ہو جاتا۔"

عثمان دقنہ جیل میں

عثمان دقنہ ؒ کو کچھ عرصہ روسٹیا کے جیل خانے میں رکھا گیا۔ اس کے بعد انہیں تورا منتقل کر دیا گیا اور اس

کے بعد وادیٔ حلفہ لے جایا گیا۔ اس جگہ کی آب و ہوا انہیں راس آئی وہ یہیں مقیم رہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے قید و بند کی سختیوں اور پابندیوں میں بھی فرق آتا گیا۔ انہیں صحن میں گھومنے پھرنے کی آزادی دے دی گئی۔

ان کو ایک حویلی میں رکھا گیا تھا، جس کے دوہرے کمرے تھے۔ اس کے باہر صحن تھا۔ ایک کمرے میں وہ رہتے تھے جب کہ دوسرے کمرے میں ان پر متعین گارد مقیم تھی۔ ایک نان کمشنڈ آفیسر اور ۹ سپاہی ان پر پہرہ کے لئے تعینات تھے:

حج کے لئے روانگی

۱۹۲۴ء میں عثمان دقنہ کو حج پر جانے کی اجازت مل گئی اس طرح ان کی یہ دیرینہ خواہش کہ وہ دیار حبیبؐ میں زندگی بسر کریں، پوری ہو گئی۔ پیرانہ سالی کے باوجود انہوں نے سفر کی تمام ترصعوبتیں بڑی ہمت اور استقلال سے برداشت کیں۔ اور خیر و عافیت سے واپس لوٹ آئے۔ انہیں اب یہاں وادیٔ حلفہ کے مضافات میں ایک گھر مل گیا جہاں ان سے نگرانی کی پابندیاں ہٹالی گئیں۔

باب دہم

عثمان دقنہ — ایک تحریکی سربراہ کی حیثیت سے

عثمان دقنہؒ دیکھنے میں عرب شیخ معلوم ہوتے تھے۔ اُن کا قد درمیانہ تھا، وہ سنجیدہ طبع تھے اور بہت کم کِھلکھلا کر ہنستے تھے۔ انہیں ہنسی آتی بھی، تو وہ اپنا چہرہ ہاتھوں سے چُھپا لیتے تھے۔ اُن کی بھنویں خاصی گھنی تھیں۔ اُن کو اللہ تعالیٰ نے مردانہ وجاہت سے نوازا تھا اور انہیں دیکھ کر ایک خاص طرح کا رعب طاری ہو جاتا تھا۔ اُن کی آنکھوں میں بَلا کی چمک تھی جو آخر عُمر میں بھی اُسی طرح برقرار تھی۔

دنیا کے معاملات کے بارے میں ان میں عجیب بے نیازی سی پائی جاتی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ انہیں دنیا اور اس کے متعلّقات سے کسی طرح کی دلچسپی نہیں۔

انتظامی اور علمی قابلیّت

عثمان دقنہؒ قرآنِ حکیم کی تعلیمات پر عمل کروانے کے سلسلے میں خاص توجہ دیتے تھے۔ وہ تمام فیصلے اپنے قاضیوں سے مشورہ کرنے کے بعد دیتے تھے۔ وہ سزا سنانے سے پہلے یہ کہتے کہ تمہیں یہ سزا اسلامی قانونِ تعزیرات کے تحت دی جا رہی ہے۔

وہ نماز کی امامت خُود کرتے۔ جمعہ کی نماز بھی خُود پڑھاتے۔ انہیں قرآنِ حکیم اور احادیث پر خاصا عبوُر حاصل تھا اور وہ درسِ قرآن بھی خُود ہی دیا کرتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ کسی مسئلے پر قرآن و سُنّت سے استنباط کر کے فیصلے پر پہنچنے کے قابل بھی تھے۔

عام نوعیت کے فیصلے اُن کے مقرر کردہ قاضی کرتے تھے۔ اُن کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں وہ خود سُنتے تھے۔

وہ امیر و غریب سے یکساں سلوک کرتے۔ اُن کے دروازے ہر شخص کے لیے کُھلے ہوئے تھے اور کوئی بھی شخص جب چاہتا اُن سے مِل سکتا تھا۔ وہ غریبوں کو کھانا کھلاتے، کپڑا فراہم کرتے اور اُن کی ہر ضرورت پوری کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ عوام کو اُن پر اس قدر اعتماد تھا کہ وہ اپنے چھوٹے چھوٹے مسائل تک اُن کے پاس لاتے تھے۔ ایک واقعہ نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

ایک دلچسپ واقعہ

جب مجاہدین نے کسالا پر قبضہ کیا، تو یہاں کا ہالانگہ قبیلہ دو حصّوں میں تقسیم تھا۔ ان میں سے ایک شیخ محمد جلال کا حامی تھا جس کے سب سے بڑے حامی کا نام محمد الحاج عبداللہ تھا۔ وہ ۱۸۸۵ء میں ہیضہ سے فوت ہو گئے۔ اُن کا ایک چھوٹا لڑکا تھا جس کا نام محمد نور تھا اور عمر گیارہ سال تھی۔ اس لڑکے کے تمام لواحقین طاعون پھیلنے کی وجہ سے انتقال کر گئے۔ صرف وہ اور اس کی ماں باقی رہ گئے تھے۔ ایسے معاشرے میں جہاں افراد کو ان کے کنبے عزیز و اقارب اور دوستوں کی وجہ سے حیثیت کا مستحق سمجھا جاتا ہو۔ ایک یتیم بچے کو وقعت حاصل ہو سکتی تھی، چنانچہ گرد و پیش کے لوگوں نے اُس کے تمام مال و اسباب پر قبضہ جما لیا۔ ماں بیٹے کے پاس اب صرف دو گائیں، ایک اونٹنی اور ایک گدھی رہ گئی تھی۔ ان میں سے بھی حلادین قبیلے کے سرداروں میں سے داد علیم نامی ایک شخص اونٹنی لے اُڑا، جب کہ طالُشہ قبیلے کا ایک فرد گائیں کھول کر لے گیا گدھی بیچارہ قبیلے کے ایک شخص کے ہاتھ آ گئی۔ اس طرح ان کی کُل متاع طاقتور

لوگوں نے ہتھیا لی۔

محمد نور واد علیم کے پاس پہنچا اور اپنی اونٹنی واپس مانگی۔ واد علیم کے پاس اس وقت اتفاق سے ایک شاٹ گن تھی۔ اس نے شاٹ گن سنبھالی اور درخت پر بیٹھے ہوئے ایک پرندے کا نشانہ لیا اور اسے مار گرایا پھر محمد نور سے کہا کہ وہ دوبارہ اس کے پاس نہ آئے ورنہ اس کا حشر بھی وہی ہوگا جو اس پرندے کا ہوا ہے۔

محمد نور عثمان دقنہؒ کے پاس پہنچا اور ان سے شکایت کی۔ عثمان دقنہ رح نے ساری بات سن کر محمد نور کو ایک خط دیا کہ وہ اسے واد علیم کے پاس لے جائے اس خط میں اسے اونٹنی لوٹانے کا حکم دیا گیا تھا۔ واد علیم بیس میل دور رہتا تھا اور محمد نور جاتے ہوئے ڈر رہا تھا، عثمان دقنہؒ نے اسے ہمت دلائی اور کہا کہ اگر وہ دو دن تک واپس نہ پلٹا تو وہ خود اس کی تلاش میں چل پڑیں گے۔ یہ سن کر لڑکا واد علیم کے کیمپ تک پہنچا، لیکن اسے اندر جانے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ خط دیئے بغیر واپس آگیا۔

عثمان دقنہؒ نے محمد نور سے کہا کہ وہ ان کے پاس ٹھہرے اور اپنے دو آدمیوں کو بھیجا کہ وہ جا کر اونٹنی لے آئیں اور جب وہ اونٹنی لے آئے، تو انہوں نے کہا کہ وہ اونٹنی کو ایک سو میریا تھر ڈالر کے عوض خریدنا چاہتے ہیں، لیکن لڑکا راضی نہ ہوا۔ اس نے کہا کہ وہ ۴۰۰ ڈالر سے کم نہ لے گا۔"

اب عثمان دقنہؒ نے واد علیم کو بلایا اور کہا کہ اونٹنی کے عوض ۴۰۰ ڈالر ادا کر دے۔ یہ خاصی بڑی رقم تھی، لیکن واد علیم کو ادا کرنا پڑی۔

محمد نور یہ سمجھتا تھا کہ اگر وہ رقم لے کر روانہ ہوگا، تو راستے ہی میں لوگ اس سے رقم چھین لیں گے۔ اس نے رقم کا کچھ حصہ لے کر اپنی ماں کے ساتھ لوکر کی طرف جانے کی اجازت مانگی اور اپنی گائیوں کا بھی ذکر کیا جو اس سے چھین لی گئی تھیں۔ اس نے کہا کہ وہ انہیں رات کے وقت گلے میں سے پہچان سکتا ہے۔ عثمان دقنہ نے اپنے آدمی اس کے ہمراہ کیے اور اسے نہ صرف گائیں واپس مل گئیں، بلکہ اسے اتنے عرصے کے دودھ کی قیمت بھی دلوائی گئی۔

مساوات کی ایک مثال

عثمان دقنہ جس قسم کے معاشرے میں رہ رہے تھے وہاں مویشی چرا لینا ایک رواج کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ اس صورت حال کو بدلنے اور امن و امان کے نفاذ کے لیے انہوں نے شرعی سزاؤں کا نفاذ کیا۔

وہ سختی سے برابری اور مساوات کے بھی قائل تھے۔ جو خود کھاتے وہی اپنے ساتھیوں کو کھلاتے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر وقت ان پر جان نچھاور کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔

۱۸۹۰ء میں وہ اپنے ایک عزیز دوست طیب السواکنی سے ملنے کے لئے گئے۔ طیب ان کا قدیمی دوست تھا اس نے ان کی بڑی خاطر مدارات کی۔ کھانے کا وقت آیا، تو مقامی رواج کے مطابق فطیرہ بنایا جو گندم چینی اور مکھن کو ملا کر بنایا جاتا تھا اور جسے عام طور پر مہمانوں کے اعزاز میں تیار کرتے تھے۔ طیب نے ازراہِ مہمان نوازی ان تمام ساتھیوں کے لیے بھی وہی فطیرہ تیار کروایا۔ عثمان دقنہ کے تمام ساتھیوں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔

دوسرے دن کھانے کا وقت آیا، تو طبیب نے صرف عثمان دقنہؒ کے لیے فطرہ تیار کروایا اور باقی ساتھیوں کو عام کھانا پیش کیا، لیکن انہیں یہ بات پسند نہ آئی۔ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ میں وہی کچھ کھاؤں گا جو میرے ساتھی کھائیں گے، چنانچہ طبیب کو باقی ساتھیوں کے لئے بھی وہی کھانا تیار کروانا پڑا۔

شرعی قوانین کا اجراء

عثمان دقنہؒ جہاں اپنے ہمراہیوں اور مجاہدین کے لئے انتہائی نرم دل تھے وہاں اُن کا رویہ مجرموں کے ساتھ قطعی طور پر ہمدردی کا نہ ہوتا۔ وہ جرائم کی اس سرزمین کو امن کا گہوارہ بنانا چاہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے شریعت کے قوانین کی شدت سے پابندی کروائی۔ جرم کرنے والے کو معلوم ہوتا تھا کہ وہ پکڑے جانے کی صورت میں کسی طرح نہ بچ سکے گا۔ کوئی قانونی موشگافی اسے جرم کی پاداش سے نہ بچا سکے گی اور نہ ہی اس سزا میں کسی نوع کی تخفیف ہو سکے گی۔

مروجہ شرعی قوانین میں برطانوی قوانین کی طرح سقم موجود نہ تھے۔ جرم کے ثابت ہونے پر مقررہ سزا کا دیا جانا ایک ایسی محکم بات تھی جس میں کسی قسم کی تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ پھر کوئی عدالت سزا میں تخفیف کرنے کی مجاز نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مجرم جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ ان کا مقصد معاشرے میں امن چین پیدا کرنا اور مجرموں کی اصلاح کرنا تھا۔

مغرب نے تہذیب کی آڑ لے کر مجرموں سے ہمدردی اور معاشرے سے دشمنی کا عجیب وغریب رویہ اختیار کر رکھا ہے وہاں تمام تر ہمدردی اُس ڈاکو، چور، زانی اور شرابی شخص سے ہے جو معاشرے کا ناسور ہے۔ اگر اسے کسی نوع

کی سزا دی جائے، تو یہ معاشرہ اسے انتہائی سفاکی اور بربریت سے تعبیر کرتا ہے لیکن دوسری طرف جرائم کو روکنے کی کوئی تجویز آج تک مغرب کے معاشرے کو مجرموں سے پاک نہیں کر سکی۔

جرائم سے پاک معاشرہ

اسلام نے جو شدید سزائیں تجویز کی ہیں، ان کا واحد مقصد معاشرے کی فلاح و بہبود ہے جب کہ مغرب میں اصل مقصد مجرموں کو پناہ دینا اور پنپنے، بلکہ پھلنے پھولنے کے مناسب مواقع فراہم کرنا ہے۔ تعجب تو اس بات پر ہے کہ اس کے باوجود اپنے آپ کو مہذب اور عثمان دقنہؒ کے نافذ کردہ شرعی قوانین کو بربریت سے تعبیر کرتے تھے۔ عثمان دقنہؒ نے جو قوانین نافذ کئے وہ وہی تھے جن کی مدد سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ معاشرہ دنیا کے سامنے پیش کیا تھا جس میں چوری کا نام و نشان باقی نہ رہ گیا تھا۔ ایک تنہا عورت سونا اچھالتی ہوئی صحرا سے گزر سکتی تھی اور اسے کسی قسم کا ڈر خوف نہ ہوتا تھا۔ شرعی قوانین کے نفاذ کے بغیر معاشرے کو جرائم سے پاک کرنا قطعاً ناممکن ہے۔ جب تک مجرموں کو یہ احساس رہے گا کہ قانونی مشیر، عدالتیں، جیلیں اور دیگر سزائیں روپے پیسے کے زور سے مہمل بنائی جا سکتی ہیں اور یہ کہ جرم کا ارتکاب کرنے کے بعد زیادہ امکان اسی بات کا ہے کہ وہ بچ جائیں گے، معاشرے کو جرائم سے کبھی پاک نہیں کیا جا سکتا۔ عثمان دقنہؒ نے شرعی قوانین کے نفاذ سے ان ان پڑھ، جاہل اور گنوار حبشیوں کو، جنہوں نے مغربی تہذیب و تمدن کی ابجد بھی نہ سیکھی تھی، جرائم سے بالکل پاک کر ڈالا تھا۔

مویشیوں کی شناخت

چوروں، ڈاکوؤں اور رہزنوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دینے کی سزا ایسے معاشرے میں کس قدر اہم تھی جہاں ہر شخص کو خوش آمدید کہا جاتا تھا اور اس وجہ سے اس اعتماد کا غلط فائدہ اٹھانا انتہائی آسان تھا۔ ظاہر ہے کہ ہاتھ کٹا ہوا چور صاف پہچانا جا سکتا تھا اور اس طرح میزبان اس کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکتا تھا۔ اس طرح چوری ہونے کا امکان خاصی بڑی حد تک کم ہو گیا۔ اسی طرح جہاں ہر شخص کو پاؤں کے نشانات، حتیٰ کہ بھیڑوں اور بکریوں تک کے پیروں کے نشانات پہچاننے کی مشق ہو، وہاں ایک پاؤں سے لنگڑا چور کیسے بچ سکتا ہے۔

افریقہ میں پاؤں کے نشانات سے سراغ لگانے کا فن جس معراج پر پہنچا ہے اس کا اندازہ مشکل سے لگایا جا سکتا ہے۔ کمال کی بات ہے کہ یہ گلّوں کی بھیڑوں اور بکریوں کی اس درجہ پہچان رکھتے ہیں اور مویشیوں کے لئے اتنے الفاظ پائے جاتے ہیں کہ محض ایک یا دو الفاظ میں مویشی کا پورا حلیہ بیان کر دیا جاتا ہے اور سو میل دور شخص صرف ایک دو الفاظ سے اسے پہچان سکتا ہے۔

ایک چار سال کی عرب بچی جسے پانچ تک گنتی بھی نہیں آتی، ایک ہزار بکریوں کے گلّے میں سے اپنے باپ کی پانچ سات بکریاں فوراً ڈھونڈ لائے گی۔ عثمان دقنہؒ نے شرعی قوانین کا نفاذ کیا، تو پورے جاہلی معاشرے میں جہاں چوری کرنا کوئی معیوب کام نہ سمجھا جاتا تھا، چوری چکاری کا نام و نشان

مٹ گیا۔ وجہ یہ تھی کہ ایک کاؤں والا چور چاہے جرم کے ارتکاب کے بعد ہفتے بھر کی مسافت طے کر چکا ہو، قدموں کے نشانات ڈھونڈنے والوں سے نہ بچ سکتا تھا اور دوسری طرف مویشیوں کی یہ صحیح صحیح شناخت دور دراز تک پہنچ سکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ ان گلہ بانوں کے مویشیوں اور بھیڑ بکریوں کے علاوہ اور کوئی ایسی چیز نہ ہوتی تھی جسے چرایا جا سکتا۔

ساتھ ہی یہ بات بھی مدِنظر رہنی چاہیے کہ ان کے لئے ان مویشیوں اور بھیڑ بکریوں کی کس قدر اہمیت تھی۔ ان کی تمام تر معیشت اور خوراک کا انحصار انہی پر تھا۔ اس لئے کسی کنبے سے اس کی چند بکریاں چرانے کا مفہوم یہ تھا کہ اسے فاقہ کشی میں مبتلا کر دیا گیا۔

عثمان دفنہؒ نے گالی دینے اور کسی کو بُرا بھلا کہنے پر بھی ۲۰ کوڑوں کی سزا مقرر کی تھی۔ جہاں گالم گلوچ سے بات قتل و غارت تک جا پہنچے اور جہاں ہر شخص کے پاس خنجر اور کوئی نہ کوئی ہتھیار موجود ہو، ایسی سزا انتہائی ضروری تھی۔ کوئی شخص اپنی سواری اونٹ، گھوڑے اور گدھے تک کو بُرا بھلا نہ کہہ سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں انتہائی وحشی لوگ مہذب ہو گئے تھے، ان کی گفتگو میں شائستگی پیدا ہو گئی تھی اور وہ انتہائی نرم گفتار بن گئے تھے۔

سادہ زندگی

عثمان دفنہؒ نے جہاں جہاد فی سبیل اللہ کی روح پیدا کی تھی، وہاں اپنے ساتھیوں کو انتہائی سادہ زندگی گزارنے کا سبق بھی دیا تھا۔ ایک وقت ایسا آیا تھا کہ عثمان دفنہؒ نے اپنے گھر میں

قہوہ نوانا چھوڑ دیا تھا۔ وہ گھر میں قہوہ نہ پیتے تھے ؛ البتہ باہر جا کر انہیں پیش کیا جاتا تو انکار نہ کرتے، کیونکہ یہ روایات کے خلاف ہوتا۔ قہوہ عربوں کے لئے واحد سامانِ راحت تھا، لیکن جب وہ خدا کی راہ میں جہاد کے لئے نکلے تو انہوں نے اسے بھی ترک کرنے میں پس وپیش نہ کی۔

مجلسِ مشاورت کی تمام نشستیں ننگی زمین پر ہوتیں اور زمین پر کسی قسم کا کپڑا یا کھال تک نہ بچھائی جاتی تھی۔ ان کے ساتھی رات کو تکیہ تک استعمال نہ کرتے تھے۔ وہ سوتے وقت سر کے نیچے لکڑی یا پتھر کا ٹکڑا رکھ لیتے اور بس۔ ان کے لئے زندگی کے تمام سامانِ عیش وعشرت گویا حرام تھے، یہاں تک کہ انہوں نے عام سہولت کی چیزوں سے بھی اجتناب اختیار کیا ہوا تھا۔

ایسی انتہائی سادہ اور فقیرانہ زندگی گذارنے کا مقصد یہی تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو جہاد کے عظیم تر مقصد کے لئے تیار رکھنا چاہیئے تھے۔ ان کے لئے موت سے زیادہ خوشگوار چیز کوئی نہ تھی اور وہ ہر وقت جام شہادت پینے کے لئے بے قرار رہتے تھے۔ وہ اپنے کپڑوں کو پیوند لگاتے اور پیوندوں کی کثرت کی وجہ سے ان مجاہدین کو اس نسبتاً غریب معاشرے میں بھی پہچانا جا سکتا تھا۔ ان کے پیوند لگے ہوئے کپڑے ہی ان کے لئے وجہ امتیاز بنتے اور اس طرح یہ ایک طرح کی وردی تھی جو یہ مجاہدین زیب تن کرتے تھے۔ خود عثمان دقنہ" وہی جبّہ پہنتے جو باقی مجاہدین کا پہناوا تھا۔ یہی حال خود خلیفہ تک کا تھا۔

ان مجاہدین میں سب سے قدیم تعلق رکھنے والے کی پہچان یہ ہوتی کہ اس

کے لباس میں زیادہ مختلف نوع کے کپڑوں کے پیوند لگے ہوتے تھے۔ عثمان دقنہ؟ عام خنجر لئے ہوتے جسے وہ اپنی پیٹی کے ساتھ آویزاں کر لیتے تھے۔ ان کے پاس ایک تلوار اور ایک نیزہ ہوتا تھا۔ ان کے پاس بندوق نہ تھی۔

ان مجاہدوں کی خوراک ایک طرح کا دلیا تھا جو پانی میں بھگو کر بنایا جاتا تھا۔ قحط کے زمانے میں جنگلی درختوں کے پھل اور جڑی بوٹیاں تک کھانا پڑتیں۔ وہ بڑے لمبے فاصلے پیدل چل کر طے کرتے۔ جہاد کے لئے سفر کرتے ہوئے شاید ہی کبھی اونٹ یا گھوڑے پر سوار ہوئے ہوں۔ وہ بہت کم جوتیاں استعمال کرتے اور اکثر ننگے پاؤں گھومتے رہتے تھے۔ ان کی گھریلو زندگی بھی انتہائی سادہ تھی۔

مغرب میں سزائیں

مغربی مصنّفین عام طور پر اسلام کے قوانین کو وحشت و بربریت سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ اسلام محض چند گھناؤنے جرائم پر ہی یہ سزائیں دیتا ہے، اور پھر ان سزاؤں کے خوف کی وجہ سے پورا معاشرہ جنّت کا نمونہ بن جاتا ہے۔ لوگ امن چین سے دن رات گزارتے ہیں اور ایک انجانے خوف کے مہیب سائے کے تلے زندگی گزارنے کے عذاب سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس مغرب میں اٹھارویں صدی کے اواخر تک معمولی معمولی جرائم کی انتہائی وحشت ناک سزائیں دی جاتی رہی ہیں۔ برطانوی فوج میں معمولی جرائم پر سینکڑوں کوڑوں کی سزائیں دی جاتی تھیں اور وہ بھی یوں کہ مانے نے

والے کو جاتا تھا کہ اگر اس نے سختی سے کوڑے نہ لگائے، تو اسے ان کوڑوں سے دُگنے کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔

اسلام کوڑوں کے معاملہ میں بھی انتہائی نرم دلی کا ثبوت دیتا ہے۔ کسی شخص کو پورا ہاتھ اٹھا کر کوڑوں کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ اسی طرح پوری قوت سے کوڑے برسانے کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ زیادہ سے زیادہ سو کوڑوں کی سزا مقرر ہے۔ جب کہ برطانوی ڈیوک آف مارلبرو کی فوج میں ایک گارڈ کو اپنے کرنل کا گھوڑا مار ڈالنے پر بارہ ہزار چھ سو کوڑوں کی سزا دی گئی تھی۔ جب وہ ۱۸۰۰ کوڑے کھا کر قریب المرگ ہو چکا، تو ملکہ این نے کمالِ ترحم سے کام لیتے ہوئے باقی سزا معاف کر دی تھی۔ سپاہیوں کو مٹر کے دانے چرانے کے الزام میں کوئی مقدمہ چلائے بغیر ڈاکو قرار دے کر پھانسی پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ گستاخی سے پیش آنے کی سزا یہ تھی کہ زبان کو دہکتی ہوئی لوہے کی سلاخ سے چھید دیا جاتا تھا۔ اسی طرح کسی بھی ملزم کی گردن اور پاؤں کو ایک دوسرے سے باندھ دیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ملزم کے ناک منہ اور کانوں سے خون بہنے لگتا۔ ایک سترہ سالہ لڑکے کو گندم کے خوشوں کو جلانے کے الزام میں پھانسی دے دی گئی تھی۔

اگرچہ انہوں نے چار شادیاں کی تھیں اور ان کے پاس دو لونڈیاں بھی تھیں جن میں سے ایک کا نام اُمّ النصر اور دوسری کا نام زینب تھا، پھر بھی انہوں نے اپنی گھریلو زندگی میں کسی قسم کا سامانِ آسائش فراہم نہیں کیا تھا۔ ان کا گھر سوڈان کے کسی بھی عام غریب کے گھرانے سے مختلف نہ تھا۔

ان کی دو بیٹیاں تھیں اور دو بیٹے۔ بیٹوں میں سے بڑا افریک کی جنگ میں بڑی شجاعت سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا تھا۔

بیت المال

عثمان دقنہؒ بیت المال خالی ہو جانے کی صورت میں مقامی تاجروں سے ادھار لے کر ضروریات پوری کر لیا کرتے تھے وہ کسی بھی سفر میں سب سے آخر میں روانہ ہوتے۔ ان کے ساتھ ایک ذاتی محافظ ہوتا تھا۔ اگر ان کے ساتھیوں میں سے کوئی تھک جاتا، تو اُن کے محافظ کو اپنی سواری اسے دینا ہوتی تھی۔

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے وہ خود زیادہ تر پیدل سفر کرتے تھے۔ اُس ذاتی محافظ کے ذِمّے پانی پلانے کا فرض بھی ہوتا تھا۔ بیت المال میں داخل ہونے والی ہر رقم کا اسی روز اندراج کر لیا جاتا تھا۔ مختلف قسم کی رقوم مختلف قسم کی مَدّوں میں جمع ہو جاتیں۔ مثلاً چھوٹی رقم الگ جمع کی جاتی تھیں۔ اسی طرح مختلف اجناس جمع کرنے کے لئے الگ شخص متعین تھا۔

عُشر کی فراہمی

۱۸۹۲ء تک عثمان دقنہؒ مرکزی بیت المال میں خلیفہ کی امداد کے لئے رقوم فراہم کرنے میں زیادہ کامیاب نہ ہو سکے تھے، کیونکہ پچھلے نو سال کے عرصے میں وہ سواکن کے محاصرے میں مصروف رہے تھے۔ لیکن ٹوکر سے نکلنے کے بعد مرکزی بیت المال میں نسبتاً زیادہ رقوم بھجوانے لگے تھے، کیونکہ وہ اب بڑی لڑائیوں سے فارغ ہو چکے تھے۔ انہوں نے اب تنظیم کی طرف زیادہ توجہ دی تھی۔ وہ ساتھ ہی ساتھ خلیفہ کو مالِ غنیمت پہنچانے میں مصروف ہو گئے تھے۔

وہ ان قبائل پر حملے کرتے جو برطانوی حکومت کی طرف داری کر رہے تھے اور ان پر ٹیکس عائد کر دیتے۔ اس میں شک نہیں کہ اب مشرقی سوڈان میں ان کی پہلی سی حیثیت نہ رہی تھی، لیکن پھر بھی اُن کے پاس خاصی بڑی تعداد میں مجاہدین تھے اور ان کے لئے سامانِ رسد فراہم کرنا ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔

انہوں نے خلیفہ سے اجازت لی کہ وہ پورے علاقے سے عشر وصول کیا کریں۔ فصلوں میں سے دسواں حصّہ وصول کرنا اسلامی اصولوں کے لحاظ سے جائز تھا۔ جب فصلیں پکنے لگتیں تو عثمان دقنہ کے مقرر کردہ عامل پورے علاقے کا جائزہ لیتے اور دیکھتے کہ کہاں کہاں فصلیں اُگی ہیں۔ اس کے بعد کٹائی کے وقت وہ آکر اندازہ لگاتے کہ کس قدر غلّہ حاصل ہوا ہے۔ اس کا دسواں حصّہ وصول کرنے کے لئے اونٹ بھجوا دیئے جاتے جن پر غلّہ لاد کر بیت المال تک پہنچا دیا جاتا۔ کاشت کار باقی غلّہ زیرِ زمین سٹوروں میں محفوظ کر لیتے۔ ان سٹوروں کو مطمورہ کہا جاتا تھا۔

دیگر محصولات

غیر معمولی صورت حال میں، جب کوئی خاص مہم درپیش ہوتی، اس جمع شدہ غلّہ کا پانچواں حصّہ بھی طلب کر لیا جاتا تھا۔ یہ غلّہ خود کاشت کاروں کو بیت المال تک پہنچانا ہوتا تھا۔

اس کے علاوہ مویشیوں کا دسواں حصّہ بھی وصول کیا جاتا تھا۔ انہیں بیت المال میں شمار کر لیا جاتا تھا اور ان میں سے ہر ایک پر (ب) داغ دیا جاتا تھا۔ جس سے یہ پتہ چل جاتا کہ یہ بیت المال کا مویشی ہے۔ اُسے بوقتِ ضرورت بیچ بھی

دیا جاتا تھا۔ اس کے خریدنے والے کو ایک دستاویز دے دی جاتی تھی کہ اُس نے یہ مویشی بیت المال سے خریدا ہے۔

عُشر بڑی باقاعدگی سے ادا کر دیا جاتا تھا۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ کوئی شخص عشر یا جانوروں کی زکواۃ ادا نہ کرتا۔ عُشر اور زکواۃ کے علاوہ اُم درمان اور سواکن کے درمیان تجارتی قافلوں سے محصول بھی وصول کیا جاتا تھا۔ کوکریب کے کنوؤں کے پاس ایک چوکی متعین تھی جہاں تجارتی سامان کا دسواں حِصّہ محصول کے طور پر وصول کیا جاتا۔ اسی طرح خلیفہ کی تحریری اجازت کے بغیر شُترمرغ کے پَر بربر سواکن سڑک سے باہر نہ جا سکتے تھے۔ عُشر زکواۃ اور دیگر محصولات سے جو آمدنی ہوتی وہ بیت المال میں جمع کی جاتی اور ریاست کے تمام تر اخراجات اسی سے پورے کیے جاتے۔ نہ تو ٹیکس دینے والے ٹیکس دینے سے جی چراتے اور نہ ہی جمع شدہ ٹیکس کی رقوم خلیفہ یا ریاست کے دوسرے افسروں کے ٹھاٹھ باٹ پر ضائع ہوتیں۔ انتہائی سادگی اور ایمانداری سے کام کرنے والے یہ افسر پوری ریاست اور اس کے باشندوں کے لئے آیۂ رحمت سے کم نہ تھے۔

عبادات و دیگر معمولات عثمان دقنہ نماز کے اوقات کی خاص پابندی کرواتے۔ یہی نہیں وہ خود رات کی تاریکی میں اللہ تعالےٰ کے حضور سربسجود ہو کر اس کی رحمتوں کے طلبگار ہوتے اور اس سے رہنمائی طلب کرتے۔ وہ جہاں دن کا اکثر حِصّہ معاملاتِ ریاست اور جہاد کی تنظیم میں بسر کرتے وہاں ان کی راتیں خدائے بزرگ و برتر کے سامنے

گریہ وزاری میں گزرتیں مسجد میں پڑھنے والے چھوٹے لڑکوں اور خدام کے ذمے گھوڑوں کی دیکھ بھال ہوتی۔ ان کی ایک باقاعدہ تنظیم تھی جس کے سربراہ خود عثمان دقنہ کے لڑکے محمد عثمان تھے۔

جمعہ اور عیدین کے روز عوام کو جہاد پر ابھارنے کے لئے خطبات دیئے جاتے۔ عثمان دقنہ خود ہی تقریر کرتے، ان کی تقریروں میں جہاد اور حقوق العباد پر زور دیا جاتا۔ یہ بھی بتایا جاتا کہ غریبوں کو ظلم سے بچانا اور ان کا تحفظ کرنا بھی جہاد ہی کی طرح ایک مقدس فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام ظلم کو مٹانے ہی کے لئے آیا ہے

عثمان دقنہ کی آواز بڑی دور تک سنائی دیتی تھی اور سننے والوں کے دلوں میں عجیب ولولہ پیدا کرتی تھی۔ نمازی جائے نماز ہمراہ لے کر آتے اور اپنے نیزے زمین میں گاڑ کر نماز ادا کیا کرتے تھے۔

بے تیغ سپاہی

عثمان دقنہ مجاہدین کو آخرت کے عذاب و ثواب سے آگاہ کرتے۔ جہاد کے فضائل بتاتے اور قرونِ اولٰی کے اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات سنا کر انہیں جہاد کے ابھارتے۔ یہ نیک دل مجاہد جن کے سینے تشکک اور بے یقینی کے امراض سے محفوظ تھے، ان تمام باتوں کو اپنے لئے نجاتِ اُخروی کا نتیجہ سمجھتے اور میدانِ جنگ میں اس جاں نثاری، بے خوفی اور بے جگری کا مظاہرہ کرتے کہ انگریز اپنی تمام تر قوت کے باوجود ایک عرصے تک ان نہتے مجاہدین کے مقابلے میں شکستوں پر شکستیں کھاتے رہے۔ اگر ان کے پاس نیزے یا تلواریں نہ

ہوتیں، تو یہ خالی ہاتھوں ہی دشمنوں کی صفوں پر ٹوٹ پڑتے۔ ان کی اس بے جگری کو دیکھ کر انگریز افواج کے سپاہیوں کے ہاتھوں سے ہتھیار چھوٹ جاتے۔ اقبالؒ نے شاید ایسے ہی غازیوں کے بارے میں کہا تھا۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

عثمان دقنہؒ اکثر کہا کرتے تھے کہ دشمن پر ٹوٹ پڑو، تمہارے پاس جو کچھ بھی موجود ہے اس سے دشمن کو ہلاک کر ڈالو! اگر تمہارے پاس نیزہ یا لاٹھی یا فولادی ٹکڑا نہیں، تو فکر نہیں۔ اگر تمہارے پاس کوئی ہتھیار نہیں، تو دشمن کو پکڑ کر دانتوں سے چبا ڈالو! موت کے سامنے سینہ سپر ہو جاؤ! اگر تم راہِ حق میں شہید ہو گئے، تو اس سے بڑھ کر شاید ہی کوئی اور کامیابی ہو۔ تم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فلاح پاؤ گے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ مجاہدین مرنے یا زخمی ہونے سے بے نیاز دشمنوں کی صفوں پر چیتے کی طرح لپکتے اور شدید مشکلات کے باوجود دشمن کو شکست دینے میں کامیاب ہو جاتے۔

مادی وسائل پر انحصار رکھنے والے فوجی ماہرین اس عجیب و غریب منظر کو دیکھ کر حیران رہ جاتے اور اس کی توجیہ کرنے سے قاصر ہوتے۔

■ ان مجاہدین کو "پاگل" "دیوانے" اور اسی طرح کے ناموں سے اسی طرح یاد کرتے جس طرح قرونِ اولیٰ کے صحابہؓ کی بے جگری کو دیکھ کر ایران کے سپاہی

"دیواں آمدند دیواں آمدند"

کہتے ہوئے بھاگ اٹھے تھے۔

سرفروش مجاہد

عثمان دقنہؒ کے ساتھیوں جیسے محیرّالعقول کارنامے دینے والے سرفروش مجاہد تاریخ کے ہر دور میں اُبھرتے رہے ہیں۔ کبھی تاریخ نے انہیں عقبہ بن نافعؓ، حارث بن مرۃ العبدیؓ اور محمد بن قاسمؒ کے روپ میں دیکھا ہے، کبھی یہ امام شاملؒ، سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ، مولٰنا عبداللہؒ (جنگِ امبیلا میں مجاہدین کے کمانڈر) کی صورت میں اُبھرے ہیں، تو کبھی بیسویں صدی نے انہیں عبدالکریم الرّیفیؒ سنوسیؒ عمر المختارؒ (لیبیا) اور البدر اور الشمس (مشرقی پاکستان کے جیالوں) کی صورت میں دیکھا ہے۔ یہ صورتِ خورشید طلوع اور غروب ہوتے رہے ہیں۔

جہاں میں اہلِ ایمان صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے اپنی جان ہتھیلی پر لئے اللہ تعالےٰ کے حضور اپنے ہی لہو کے پیرہن میں کامیاب وکامران حاضر ہوتے رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں ان مجاہدین پر جنہوں نے ہمارے فردا کے لئے اپنے امروز کو قربان کر دیا اور جن کی جان نثاری کے طفیل آج مسلمان ہر ممالک میں عزّت اور آبرو کی زندگی بسر کر رہے ہیں یقیناً غلامی کی شبِ تاریک میں ان کا وجود ایک تابناک مشعل کی حیثیت رکھتا تھا۔

پوچھو ہو کیا وجود و عدم اہلِ شوق کا
آپ اپنی آگ کے گُل و گلزار ہو گئے

جمعہ کی نماز کے بعد مسجد سے باہر تمام مجاہدین پریڈ کیا کرتے تھے۔

ان کے جوش و خروش کا منظر دیدنی ہوتا تھا۔ یہ پریڈ "البشر بالخیر" کے نعرے پر اختتام پذیر ہوتی تھی۔ اس کے بعد سب غربا کے لئے کھانے کا اہتمام ہوتا جس عثمان دقنہؒ خود شریک ہوا کرتے تھے۔

عورتوں کے اجتماعات

اگرچہ عورتوں کو مسجد میں اجتماعات میں آنے کی اجازت نہ تھی۔ پھر بھی عثمان دقنہؒ ان کے معاملات سے بالکل بے خبر اور بے تعلق نہ تھے۔ ان کی الگ تنظیم موجود تھی اور ان کی رہنمائی کے لئے معاملہ فہم اور بزرگ خواتین کا تعین کیا گیا تھا۔

عثمان دقنہؒ انہیں خطاب کرنے کے لئے اکٹھا کرتے اور الگ جگہ اوٹ میں رہتے۔ عام طور پر انہیں جہاد کے لئے رقوم فراہم کرنے اور زیور دینے کے لئے ترغیب دی جاتی اور وہ بالعموم اپنا سب کچھ راہ خدا میں فدا کرنے کے لئے تیار ہو جاتیں۔

عثمان دقنہ کہتے "کیا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجِ مطہرات تم سے زیادہ معزز تھیں، پھر بھی وہ زیورات نہ پہنتیں تھیں۔ وہ اپنی کمروں پر مشکیزے لاد کر لاتیں اور میدانِ جنگ میں شریک ہوتیں۔ اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس کے سوا کوئی اولاد نہیں دے سکتا۔ قبروں کی زیارت کے بعد وہاں اولاد کے لئے منتیں ماننا جائز نہیں۔"

عثمان دقنہؒ کی تقریر کا بڑا گہرا اثر ہوتا۔ اکثر عورتوں پر رقت طاری ہو جاتی وہ اپنے گناہوں کی معافی مانگتیں اور اپنے تمام زیورات اکٹھے کر کے جہاد کے لئے دے دیتیں۔ یہی عورتیں میدانِ جنگ میں پانی پلاتے پلاتے شہید ہو جاتیں۔

[illegible]

[illegible] مناسب ہوگا [illegible]

فاطمہ بنت عبداللہ

(عرب لڑکی جو طرابلس کی جنگ میں غازیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہوگئی)

۱۹۱۲ء

فاطمہ تو آبروئے اُمتِ مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مُشتِ خاک کا معصوم ہے

یہ سعادت حورِ صحرائی تری قسمت میں تھی
غازیانِ دین کی سقائی تری قسمت میں تھی

یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر!
ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کسقدر!

یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی
ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی

اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں

فاطمہؓ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے
نغمۂ عشرت بجائے نالۂ ماتم میں ہے

رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے!
ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے

ہے کوئی ہنگامہ تیری تربتِ خاموش میں
پل رہی ہے ایک قوم تازہ اس آغوش میں

بے خبر ہوں گرچہ اُن کی وسعتِ مقصد سے میں
آفرینش دیکھتا ہوں انکی اس مرقد سے میں

تازہ انجم کا فضائے آسماں میں ہے ظہور
دیدۂ انساں سے نامحرم ہے جنکی موجِ نور

جو ابھی اُبھرے ہیں ظلمت خانۂ ایام سے
جن کی ضو نا آشنا ہے قیدِ صبح و شام سے

جن کی تابانی میں اندازِ کہن بھی، نو بھی ہے
اور تیرے کوکبِ تقدیر کا پَرتو بھی ہے

عثمان دقنہؒ کی قیادت

عثمان دقنہ اس دور کی جنگی روایات کے تحت میدانِ جنگ سے کچھ فاصلے پر رہ کر جنگی ہدایات دینے اور جنگ کی کمان کرنے کے فرائض انجام دیتے تھے۔ بسا اوقات جنگ کی شدت میں عثمان دقنہ خود براہِ راست شرکت کرنے پر آمادہ ہوتے، لیکن ان کے محافظ انہیں ایسا کرنے سے روکتے۔ کسی بھی فوجی قائد کے لئے میدان جنگ میں خود شرکت کرنا پوری فوج کے لئے تباہی کا باعث ہو سکتا ہے، ساتھ ہی ساتھ اس کے شہید ہو جانے کی صورت میں تمام فوج میں بد دلی پھیل سکتی ہے اور وہ پسپائی پر آمادہ ہو سکتی ہے۔ ان دنوں بحرِ احمر کی پہاڑیوں میں رہنے والے قبائل میں یہ توہم عام طور پر پایا جاتا تھا کہ فوج کے کمانڈر کی موت، کا لازمی نتیجہ فوج کی شکست اور تباہی ہوگا۔

عثمانؒ دقنہ کی خطابت

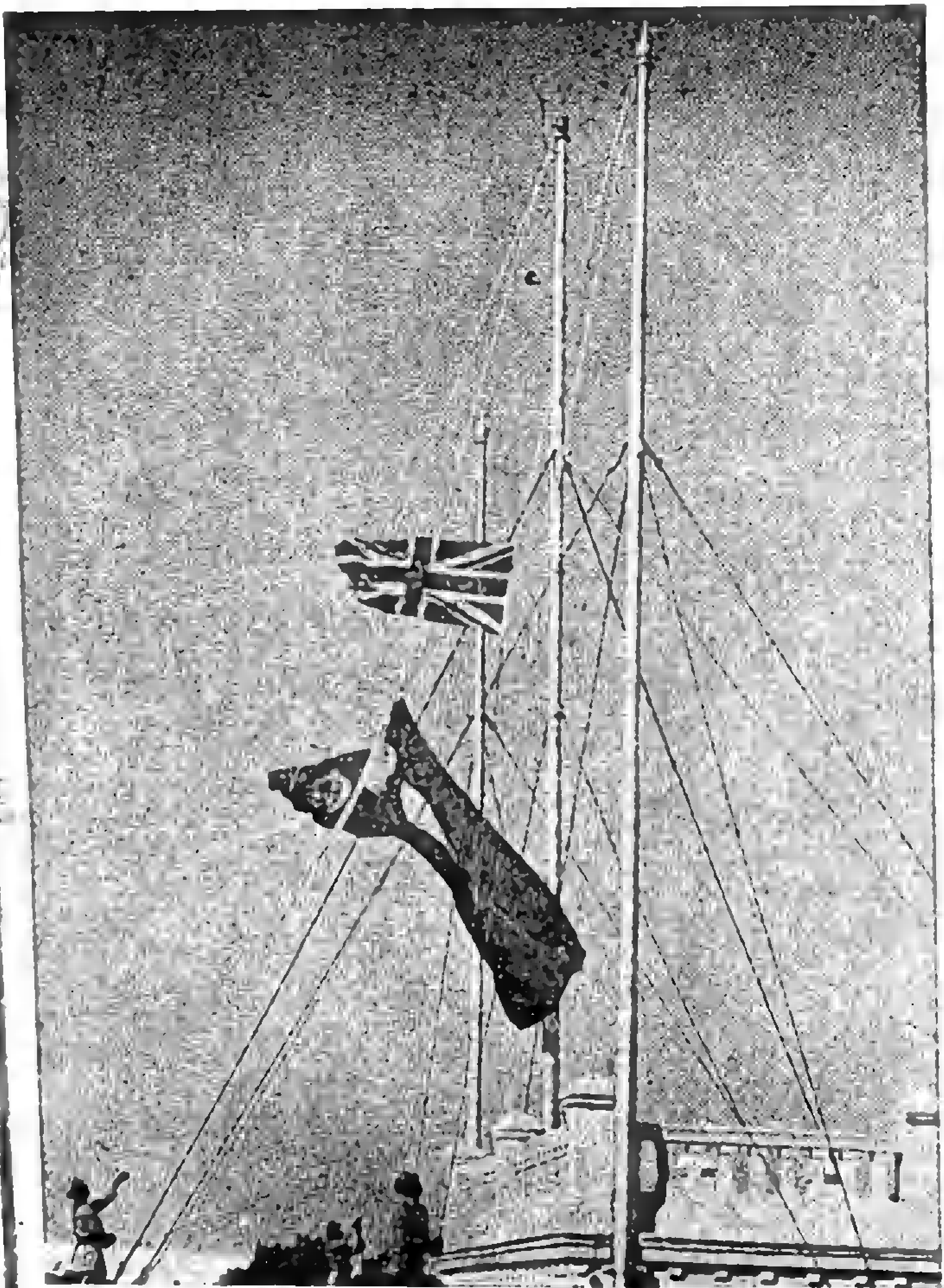
جنگ کے بعد عثمان دقنہؒ اپنے ساتھیوں کو اکٹھا کر کے

انہیں خطاب کرتے اور جنگ کے نتائج کا تجزیہ کرتے ہوئے انہیں بتاتے :

" اپنے نقصان پر غمگین نہ ہوں۔ کیا ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کسی موقع پر جنگ میں شکست سے دوچار ہونا نہیں پڑا؟ قرآن پاک میں لکھا ہے کہ ضروری نہیں کہ تم ہر موقع پر کامیاب و کامران ہو۔ اصل کامیابی قیامت کے دن کی کامیابی ہے۔ ہماری کامیابی کے دن دُور نہیں۔ جلد ہی مصر تمہارے قدموں میں ہوگا۔ مصر پر قبضہ ہو گیا، تو پھر انگریزی حکومت بھی اپنی خیر نہ منا سکے گی۔ مصر کو فتح کرنے کے بعد ہم انگلستان کا رُخ کریں گے۔ ممکن ہے ہم میں سے کچھ راستے میں شہید ہو جائیں، لیکن بالآخر ہم کامیاب ہوں گے، جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کا آغاز کیا، تو ان کے ساتھیوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس کے باوجود اُن کی وفات تک ان کی سلطنت کا دائرہ دُور دُور تک پھیل چکا تھا۔ یہی حال مہدی کے جاں نثاروں کا ہوگا۔ ہم اس وقت تعداد میں کم ہیں، لیکن ہماری تعداد بڑھتے بڑھتے پوری دنیا پر چھا جائے گی۔ مصر کے لوگ تمہارے غلام ہوں گے۔ مصر کے بعد ہم یورپ کو فتح کریں گے۔ اگر اللہ تعالےٰ نے چاہا، تو ہم اسی طرح کامیاب و کامران ہوں گے جیسے صدیوں پہلے حضرت عمر بن الخطابؓ فتح مند ہوتے تھے۔

عثمان دقنہ کا خطاب بہت دل نشین ہوتا تھا۔ سامعین میں سے ایک نے اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا ہے :

" اُن کی باتیں سُن کر ہمارے دل موم کی مانند پگھل جاتے۔ وہ جیسے چاہتے ہمیں ڈھال لیتے تھے۔ ان کی باتیں مسحُور کُن ہوتیں۔ ان کی تقریر کی دل پذیری کا



سوڈان کی آزادی کے موقعے پر برطانوی اور مصری پرچم اتارا جا رہا ہے
اور سوڈانی پرچم بلند ہو رہا ہے

اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ جو صدیوں سے بھیڑ بکریاں چرانے اور چھوٹی موٹی تجارت کرنے کے علاوہ اور کسی لائق نہ رہے تھے، عثمان دقنہ" کی تحریص و ترغیب سے اپنے وقت کی سب سے بڑی سلطنت کی افواجِ قاہرہ سے جا ٹکرائے تھے۔ اللہ تعالٰے نے انہیں خطابت کا بے پناہ جوہر عطا فرمایا تھا۔ اور انہوں نے اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے عوام کو ابھارنے کے لئے اس کا کامیاب استعمال کیا۔"

عثمان دقنہ کی عزیمت

اس میں شک نہیں کہ اُن کی جدوجہد دنیاوی اعتبار سے کامیاب نہ ہو سکی، لیکن اللہ تعالٰے کے نزدیک اُن کے اجر و ثواب کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ انہوں نے آخر دم تک انگریزوں کا ساتھ دینے سے انکار کیا۔ جیل میں تکالیف اور سختیوں کا سہنا اُن کے نزدیک تمام تر سہولتوں اور عیش و آرام سے کہیں بہتر تھا۔ اُن کے جذبے کی شدّت کا یہ حال تھا کہ اگر اُن کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے چہار دانگِ عالم میں بکھیر دیا جاتا، تو پھر بھی اُن کے انگ انگ سے جہاد کی آوازیں بلند ہوتیں۔ کوئی لالچ یا کوئی خوف انہیں اپنے راستے سے نہیں ہٹا سکتا تھا۔ اُن کے ساتھیوں کی بہت بڑی تعداد شہید ہو چکی تھی یا مسلسل شکستوں کی وجہ سے مایوس ہو کر پلٹ چکی تھی، لیکن اس کے باوجود ان کے عزم اور حوصلے میں کسی قسم کی کمی نہیں آئی تھی۔ وہ پندرہ سال تک مسلسل برطانوی افواج سے برسرِ پیکار رہے۔ آج اُن کا نام مہدی سوڈانی کی نسبت کم معروف ہے، جب کہ مہدی سوڈانی کو نسبتاً کم عرصے کے لئے براہِ راست برطانوی افواج کا مقابلہ کرنا پڑا۔

عثمان دقنہ نے اپنے نہتے، کم علم اور غیر تربیت یافتہ مجاہدین کو اپنے وقت کی انتہائی تربیت یافتہ افواج کے مقابلے میں لا کھڑا کیا جو انگلستان، انڈیا اور آسٹریلیا جیسے دور دراز علاقوں سے لائی گئی تھیں۔ انہوں نے جس جنگی مہارت، برتر قائدانہ صفات اور مستقل مزاجی سے دنیا کے گوشے گوشے سے لائی ہوئی ساز و سامان سے لیس، انتہائی منظم افواج کا مقابلہ کیا۔ وہ انہی کا حصہ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ جب کبھی افریقہ کے انیسویں صدی کے مجاہدین کا ذکر آئے گا، عثمان دقنہؒ کا نام سنہرے حروف میں لکھا جائے گا۔

جیالے مجاہد

اسے عثمان دقنہؒ کی خوش قسمتی کہنا چاہیئے کہ انہیں ایسے جیالے مجاہدین میسر آئے تھے جنہوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحے تک جہاد کے مقصد کو اپنائے رکھا۔ جنہوں نے انتہائی دلیری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ وہ نصف ہلال کا دائرہ بناتے ہوئے گھوم کر حملہ آور ہوتے اور دشمن کو تہس نہس کر دیتے یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ حالیہ فوجی تاریخ میں شاید ہی کہیں ان سے زیادہ جری لڑنے والے پیدا ہوئے ہوں۔ لوگ انہیں دیوانے، بگلے اور جاہل کچھ ہی کہا کریں، یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ ان سے زیادہ بے لوث اور نڈر افراد کم ہی میدانِ جنگ میں اُترے ہوں گے۔ نوجوان، بوڑھے، مرد، حتّٰی کہ بوڑھی عورتوں اور بچوں تک نے جذبۂ شہادت سے سرشار ہو کر بہادری کے وہ کارنامے دکھائے جن کی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی۔ ایک جگہ ایک مجاہد ہاتھوں میں ایک خنجر بکف لڑکے

حقیقت تو یہ ہے کہ ان مجاہدین کو موت زندگی سے کہیں پیاری تھی۔ شدید زخمی ہونے کی حالت میں بھی جب کہ ان کی جان لبوں پر ہوتی وہ اپنی تمام تر قوت مجتمع کر کے قریبی دشمن پر ٹوٹ پڑتے اور اسی کوشش میں اللہ تعالےٰ سے جا ملتے۔ بحرِ احمر کے ساحل کو چھونے والی لہریں، ان کے احمریں خون سے یقیناً رنگین ہوئی ہوں گی اور ان بے تاب لہروں نے ان کے خاک و خون میں تڑپنے والے جسموں کا بارہا نظّارہ کیا ہوگا۔

اللہ تعالےٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں ان شہداء پر جنہوں نے اپنی زندگیوں کے نذرانے پیش کر کے عالمِ اسلام کے لئے آزادی اور حرّیت کی نعمت کے حصول کو ممکن بنایا۔

سواکن کا ساحل تھا یا مراکش کی پہاڑیاں، داغستان کی چوٹیاں تھیں یا لیبیا کا ریگستان ہر جگہ یہ مجاہدِ اسلام کی برتری اور استعماری قوتوں کی شکست کے لئے سربکف رہے آج عالمِ اسلام کا بہت بڑا حصّہ انہی سرفروشوں کی قربانیوں کے نتیجے میں آزادی کی نعمت سے مالامال ہے۔

عثمان دقنہ

عالمِ اسلام کا عظیم مجاہد

از

محمد حامد

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ
۲- کلب روڈ، لاہور